عرب مصر میں

از

محمد جمیل الرحمن ایم۔اے۔ پروفیسر تاریخ۔ جامعہ عثمانیہ۔ حیدرآباد دکن

شام وعراق کی فتح کے بعد جب مسلمانوں نے گرد و پیش نگاہ ڈالی، اور سیاسی حالات کا مطالعہ کیا تو انھیں معلوم ہوا کہ اگر ان فتوحات کو محفوظ رکھنا ہے تو آگے بڑھے بغیر چارہ نہیں۔ شام کو فتح کرکے مصر کی طرف سے بے فکر رہنا سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ مصر اور شام کا اس قدر گہرا تعلق ہے کہ کوئی شامی حکومت اُس وقت پوری طرح محفوظ نہیں ہوسکتی جب تک کہ مصر پر بھی اُس کا تسلط نہ ہو۔ اس کے علاوہ گو عربوں نے بازنطینی حکومت کے بہترین ایشیائی صوبوں پر قبضہ کرلیا تھا، لیکن اس حکومت کی طرف سے خطرہ زائل نہیں ہوا تھا۔ بازنطینی سلطنت کا بحری اور فوجی مرکز قلزم سے حجاز اس قدر قریب تھا کہ جب تک مصر فتح نہ ہو جائے، اور قلزم پر مسلمانوں کا مستقل قبضہ نہ ہو حجاز کو محفوظ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اس سے بھی قطع نظر، سال کے چار مہینے قسطنطنیہ کا گذارا مصر کی زرعی پیداوار پر تھا[1]۔ اور ضروری تھا کہ ایک طرف تو اس سلطنت کے معاشی حالات پر اثر ڈالا جائے، اور دوسری طرف اس تمام زرعی پیداوار سے خود مسلمان فائدہ اٹھائیں۔ چنانچہ ۱۸ھ

---

[1] آرنلڈ۔ ص۔ ۱۳۰

ہی میں مصر کے غلّے سے حجاز کی قحط زدگی کو دور کیا گیا۔[۵]

مصر کے سیاسی حالات بھی خاص قسم کے تھے۔ جب آگسٹس نے اکٹیم کی جنگ کے بعد، مصر پر قبضہ کر کے اسے رومی سلطنت میں شامل کیا ہے، تو اُسے باقاعدہ صوبہ بنانے کے بجائے شاہی ملک قرار دیا تھا، جو ہر قیصر کو یکے بعد دیگرے بطور ورثہ ملتی رہتی تھی۔ آگسٹس نے اپنی ہی طرف سے وہاں ایک حاکم مقرر کیا تھا۔ مگر یہ حاکم مرکزی حکومت کا نمائندہ ہونے کے بجائے ذاتی طور پر قیصر کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے خلاف مرافعہ براہ راست قیصر کے سامنے پیش ہوتا تھا۔ مالی، عدالتی اور فوجی انتظامات اس کے سپرد تھے۔ فوج کی نقل و حرکت پر بھی اس کی نگرانی تھی۔ آگسٹس نے یہاں تک احتیاط برتی تھی کہ رومی سینات کا کوئی رکن مصر میں قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ لیکن رومیوں نے مصر کے اندرونی نظم و نسق میں کوئی تبدیلی نہیں کی تھی محاصل کی وصول یابی کے متعلق سب سے اہم کام مردم شماری اور اراضی کی مساحت کا تھا۔ یہ دونوں کام بطلیموسی خاندان پہلے ہی مکمل کر چکا تھا۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تمام رومی مفتوحات میں یہی ملک ایسا تھا جہاں کی پیمائش اور مردم شماری بالکل مکمل حالت میں تھی اور رومیوں نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ رومیوں سے قبل یونانی دور ہی میں حکمران قوم کی نوآبادکاری کو محدود کر دیا گیا تھا۔ صرف اسکندریہ اور بطلیموسیہ کے دو شہر ایسے تھے جہاں یونانیوں کو آباد ہونے کی اجازت تھی، باقی وہ اور کہیں توطن اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ اس قانون کو رومیوں نے بحال رکھا اور رومیوں کو اندرون ملک میں پھیلنے اور آبادیاں قائم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یونانی اور رومی زمانے میں نوآبادکاری کی یہ تحدید اس وجہ سے نہ تھی کہ حکمران قوم کے ملک میں عام طور پر آباد ہو جانے سے اہل ملک کو معاشی یا معاشرتی لحاظ سے نقصان پہنچے گا۔ بلکہ اس کا سبب محض یہ تھا کہ حکمران قوم مفتوحین کے ساتھ میل جول پیدا کر کے

---

[۵] ابن سعد۔ ج ۳۔ ص ۲۰۳، ۲۲۳، ۲۲۴۔

ان میں ضم ہونا نہیں چاہتی تھی۔ باوجودیکہ اسکندریہ قدیم یونانی شہر تھا، اور رومی سلطنت میں بھی دوسرے درجے کا شہر سمجھا جاتا تھا، اس کے باشندے اس قدر شورہ پشت واقع ہوئے تھے کہ شہر کو حکومت خود اختیاری عطا کرنا خطرناک سمجھا گیا تھا۔ جب اسکندریہ کی یہ حالت ہو تو دوسرے مقامات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ مصر میں بلدیات بالکل مفقود تھیں۔

محاصل میں آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ لگان تھا۔ مختلف قسم کی پیداواروں پر لگان کی شرح الگ الگ تھی۔ چراگاہوں، تاکستانوں، زرعی زمینوں، جنگلوں، ماہی گیری، نمک کے کارخانوں اور زیتون کے باغوں پر محصول لگایا جاتا تھا۔ اس باقاعدہ محصول کے سوا ایک اور محصول پیداوار کی صورت میں ادا کرنا پڑتا تھا، اور اغلب ہے کہ یہ ادائی حاکم صوبہ اور اس کے دفتر کے عمال کی ضروریات کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ مصر اور افریقہ میں خاص طور پر محصول بصورت پیداوار ادا ہوتا تھا۔ مصر سے جو غلہ قسطنطنیہ بھیجا جاتا تھا وہ سال میں چار مہینوں کے لئے کافی ہوتا تھا۔ ہر سال مصری جہاز یکم اپریل سے ۱۵ اکتوبر تک یہ کام انجام دیتے تھے۔ لنگر اٹھانے کے بعد جہازرانوں کو حکم تھا کہ قسطنطنیہ کا قریب ترین راستہ اختیار کریں، اور بلا ضرورت کسی بندرگاہ پر قیام نہ کریں، اور اگر ایسا کریں تو بندرگاہ کا حاکم انھیں لنگر اٹھانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اگر کوئی جہاز غرق ہو جائے تو صحیح حالات کی تحقیق کے لئے پس ماندہ ملاحوں کو طرح طرح کے عذاب دئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ فی کس محصول تھا، جو سوداگروں کی جماعتوں، گھوڑوں، خچروں، بیلوں اور گدھوں، غرض کہ تمام جائداد منقولہ پر عائد کیا جاتا تھا۔ صناع اور دکاندار، موزہ فروش، جولاہے، نعل بند، سنار اور دیگر پیشہ ور بھی محصول ادا کرتے تھے۔ مشرق کا سامان تعیش زیادہ تر شام و مصر سے ہو کر یورپ پہنچتا تھا۔ اسکندریہ مشرقی تجارت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ لیکن بحیرۂ احمر کے ہر بندرگاہ پر بھی ہندی یا عربی مال تجارت اتارنے پر پچیس فی صدی محصول ادا کرنا پڑتا تھا۔ اسی طرح دریائے نیل کے دہانے کے ہر شہر میں محصول خانے موجود تھے۔ محصول وصول کرنے کا کام اجارے پر دیا جاتا تھا۔ یہ لوگ پبلکن کہلاتے تھے۔ وہ ضرورت

سے زیادہ خلاف قانون محصول وصول کرتے تھے۔ عدالتوں کے کارکن ان کے زیر اثر اور زیر احسان تھے، اس لئے ان کے خلاف عدالتی چارہ جوئی بیکار تھی۔ حاکم صوبہ ان کی مخالفت کرتے ہوئے ڈرتا تھا، اور ان سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ ان خدمات کے صلے میں حاکم بھی ان کے منافع میں شریک کرلیا جاتا تھا۔ پبلکن اس کا حق رکھتے تھے کہ بقایا داروں کو قید کرا دیں، اور ان کی جائدادیں ضبط کرالیں۔ عوام کو پبلکن سے کس درجہ نفرت تھی اس کا اندازہ سیسرو کے اس بیان سے ہوگا کہ اس نے اہل صقلیہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ تمام اقوام میں یہی ہمارے ایسے وفادار دوست ہیں کہ انھیں پبلکن اور قرض دہندگان سے بھی نفرت نہیں ہے۔

ایک اور جماعت قرض دہندگان کی تھی، جو پبلکن کے ساتھ ساتھ کام کرتی تھی، گو بعض مرتبہ ان دونوں جماعتوں میں جھگڑے بھی ہوجاتے تھے۔ یہ لوگ سنیات کے رکن نہیں ہوسکتے تھے، کیوں سنیات کے اراکین یہ پیشہ اختیار کرنے کے مجاز نہیں تھے۔ لیکن اکثر قرض دہندگان ان کے دلال ہوتے تھے۔ وہ خود رومہ میں رہتے تھے اور اپنے دلالوں کی کمائی میں حصہ دار سمجھے جاتے تھے۔ ان قرض دہندگان کی وجہ سے جو مصیبتیں صوبوں اور عوام پر نازل ہوتی تھیں وہ ناگفتہ بہ تھیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا تھا کہ شہر کے باشندے سرکاری محاصل ادا نہیں کرسکتے تھے، اور ان کی بابجائی کے لئے قرض دہندگان سے رقمیں لے لیتے تھے۔ اس طرح شہر کے شہر ان کے ہاتھ میں گروی تھے۔ ایسی حالت میں یہ دولت مند قرض دہندگان جو کچھ نہ کر گزریں کم ہے۔ بعض مرتبہ جو سلوک انھوں نے مرہون شہروں سے کیا ہے اسے پڑھ کر خون کے آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے۔

یہ تو محاصل تھے جو اہل مصر ادا کرتے تھے۔ خود مصریوں کی حالت یہ تھی کہ انھیں کوئی معاشری یا شہری درجہ حاصل نہ تھا۔ افسر اعلیٰ ظاہر ہے کہ رومی ہوتے تھے دوسرے درجے کے عہدوں پر بھی مصری مقرر نہیں ہوسکتے تھے۔ یہ عہدے اسکندریہ اور بطلیموسیہ کے

یونانیوں سے پُر کئے جاتے تھے۔ رومی فوج میں مصر کے یونانیوں کے لئے تو جگہ نکل آتی تھی، مگر فوج میں مصریوں کا داخلہ قطعاً ممنوع تھا۔ آخری زمانے میں وہ فوج کے صرف ادنیٰ ترین عہدوں پر مقرر ہو سکتے تھے۔ مصری زبان دفتری زبان نہیں تھی۔ فوج کی زبان لاطینی تھی اور شہری حکومت میں یونانی مستعمل تھی۔ یہ ضروری تھا کہ مصری زبان کی تمام دستاویزات کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا جائے۔ گو عوام اپنی زبان استعمال کرنے میں آزاد تھے، لیکن کوشش یہی کی جاتی تھی کہ جہاں تک ہو سکے یہ زبان استعمال نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مصر میں عام طور پر دوہرے نام پائے جاتے ہیں۔ ایک مصری اور دوسرا یونانی۔ رومی مملکت میں مصری صرف ایسا ملک تھا جہاں رومی نو آباد کار نہیں تھے، اور جہاں رومیوں نے اپنی تہذیب پھیلانے کی کوشش نہیں کی۔

عام طور پر صوبہ کا حاکم بڑی بڑی رشوتیں دے کر اس خدمت پر مقرر ہوا کرتا تھا، اور اپنی حکومت کے دوران میں صوبے کو خوب لوٹ کر اپنا بھلا کرتا تھا۔ حاکموں کی یہ چیرہ دستیاں اس قدر عام تھیں کہ جب سیسرو اپنے زیر حکومت صوبے میں اس قسم کی زبردستیوں سے باز رہا تو وہاں کے لوگوں کو اس پر تعجب ہوا۔ صوبے کے صدر مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی نامزد شدہ حاکم نذرانوں اور ضیافتوں کے نام سے صوبے کو لوٹنا شروع کرتے تھے۔ اول تو حاکم خود ہی ایک بلائے بے درمان تھا، اور اُس پر مستزاد یہ کہ فوج کے سپاہیوں کو شہریوں کے مکانات میں ٹھیرانے کا دستور عام تھا۔ موسم سرما میں یہ سپاہی صوبے کے کسی نہ کسی شہر کے گھروں میں ٹھیرا دئے جاتے تھے، اور اُن کے تمام اخراجات اہل خانہ برداشت کرتے تھے۔ سیسرو لکھتا ہے کہ رومہ کے دشمنوں نے ہمارے اتنے شہر برباد نہیں کئے جتنے کہ فوج کے سپاہیوں نے موسم سرما کے قیام کے دوران میں کئے ہیں۔ بعض سپہ سالار تو کسی شہر کو سزا دینے کی غرض سے سپاہیوں کو گھروں میں ٹھیرا دیتے تھے۔ بعض شہر ایسے تھے کہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے سالانہ یک مشت رقم حاکم کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ ہم

اندازہ کر سکتے تھے کہ ان وحشی سپاہیوں کی وجہ سے اہل شہر پر کیا کیا مصائب نہ نازل ہوتے ہونگے۔
ان تمام باتوں کے باوجود ایک مصنف یہ رائے ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ

"مصر کی رومی فتح اہل ملک کے لئے برکت ثابت ہوئی ملک
کے پہلے حکمران، بطلیموسی، نالائق بھی تھے، اور مطلق العنان بھی،
نئے حکمران مطلق العنان تو تھے، مگر نالائق نہیں تھے۔ ہر دو
صورتوں میں حکمرانوں کا تعلق مصر سے نہیں تھا، اور وہ اجنبی
تھے۔ یقیناً اہل مصر کو اس کی مطلق پروا نہ تھی کہ ایک اجنبی
قوم ان پر حکمران ہو یا دوسری"۔[سے] (؟)

مسیحیت کی اشاعت اور توسیع کے ساتھ مصر کے مصائب اور مشکلات میں اضافہ ہوا کمی نہیں ہوئی۔ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ابھی بہت مدت نہیں گزری تھی کہ ان کے پیرووُں نے ان کی سیدھی سادی تعلیمات کو تو بھلا دیا، اور فلسفیانہ مناقشات میں مبتلا ہو گئے، اور حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ کی ذات وصفات کے متعلق بحثیں شروع ہو گئیں۔ ان مناقشات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرقی سلطنت رومہ کے مختلف صوبوں میں نت نئے فرقے پیدا ہوتے گئے، اور ہر فرقہ اپنے مخصوص عقائد پر مُصر رہا۔ مصر بھی ان جھگڑوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ اہل اسکندریہ ازل سے ضدی اور شورہ پشت واقع ہوئے تھے۔ اب تک یہ لوگ قیاصرہ یا والیان مصر کی ہجو میں لکھ کر دل کا ارمان نکال لیتے تھے۔ لیکن مذہبی عقائد کی صورت میں اب ایک نیا کھلونا ان کے ہاتھ آیا۔ انھوں نے مرکزی حکومت کے عقائد سے اختلاف کیا، اور مونوفیسائٹ عقائد اختیار کر لئے۔ اب مصر میں خونریز مذہبی جھگڑوں کا آغاز ہوا۔ مگر حکومت کی سختیوں کے باوجود

[سے] آرنلڈ ص ۳۰۸۔ مصر کے یہ حالات آرنلڈ، ریڈ، کیمبرج میڈیول ہسٹری ج ۱۔ اور رامسن جلد ۲ سے ماخوذ ہیں۔ پروفیسر عبد القادر، شعبۂ معاشیات، جامعۂ عثمانیہ کا شکریہ جنھوں نے ان کتابوں کی طرف توجہ دلائی۔

اہل اسکندریہ اپنے مذہب پر جمے رہے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے جتنی سختی ہوتی تھی، مونوفیسائی عقائد اتنے ہی مصر میں جڑ پکڑتے جاتے تھے۔ جب یہ مصائب انتہا کو پہنچ گئے تو خسرو پرویز ناجی بن کر مصر میں ظاہر ہوا۔ دس برس ایرانیوں نے مصر پر حکومت کی، اور اس عرصہ میں اہل مصر کو مذہبی آزادی بھی حاصل ہوئی، اور وہ دوسری نعمتوں سے بھی بہرہ ور ہوتے رہے۔ لیکن ان کی بدقسمتی کہ اس مختصر مدت کے بعد قیصر ہرقل نے خسرو پرویز کو شکست دے کر مصر پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اب وہی پرانے مذہبی مناقشات، وہی جبر و تعدی، وہی کشت و خون پھر شروع ہو گیا۔ ۶۳۱ء میں ہرقل نے مقوقس ؎ کو اسکندریہ کا بطریک اور شہری نظم و نسق کا حاکم مقرر کیا۔ اس شخص نے دس برس تک متواتر یہ کوشش کی کہ قبطی کلیسا سے صلح ہو جائے ملک کی مالیات درست ہو جائیں، اور مکمل امن و امان قائم ہو۔ لیکن اس کی جدوجہد رائگاں گئی بلکہ نتیجہ یہ ہوا کہ اختلافات اور زیادہ نمایاں ہو گئے۔ مصر کے اندرونی حالات اس قدر خراب ہو گئے تھے کہ اب اہل ملک کے لئے نجات کا صرف ایک طریقہ رہ گیا تھا، اور وہ یہ کہ پھر کوئی بیرونی قوم ملک پر قبضہ کر کے انھیں ان نالائق حکمرانوں سے خلاصی دلائے۔

عین اسلامی فتح سے قبل مصر کی تباہی کا اصلی سبب رومیوں کی فوجی حکومت اور اسکندریہ کے شورہ پشت یونانیوں کا اتحاد تھا۔ حالانکہ یہ یونانی کسی صورت میں بھی مصر کے حقیقی باشندے نہیں کہلائے جا سکتے تھے۔ کمزور قیاصرہ کے عہد میں مصر پر وحشی اقوام کے حملے ہوتے رہتے تھے، اور وہاں وحشت و بربریت پھیلتی جا رہی تھی۔ کلیسائی تنازعات کی وجہ سے مصر کی اصلی آبادی اور اہل اسکندریہ دونوں حکومت سے متنفر تھے۔ مصر پر فوجی قوت سے حکومت ہو رہی تھی، مگر صدر مقام کے باہر حاکم کے اختیارات ختم ہو جاتے تھے۔ عوام میں فوجی جوش اور تربیت دونوں غائب تھے۔ کیونکہ انھیں ہمیشہ اس سے محروم رکھا گیا تھا۔

؎ Cyrus

رومیوں کی مطلق العنانہ اور احمقانہ حکومت سے اندرونی تحریک کے ذریعے رہائی پانے کی کوئی صورت نہیں تھی، اور اہل مصر کسی بیرونی نجات دہندہ کے منتظر تھے کہ ۱۸ھ میں عربوں کی فوجیں مصر کی سرحد پر ظاہر ہوئیں۔

(۲)

روایات کے مطابق اسلام سے قبل حضرت عمرو بن العاص ایک مرتبہ مصر آئے تھے اور تمام مصر میں سے گذر کر اسکندریہ پہنچے تھے، جہاں انھوں نے کچھ مدت قیام کیا تھا اسکندریہ کا شہر انھوں نے خوب دیکھا تھا اور وہاں کی عظیم الشان عمارتوں سے بہت متاثر ہوئے تھے۔[۴۸] اتنا تو صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے مصر میں آنے اور وہاں سے باہر جانے کے راستے پوری طرح دیکھے تھے، مگر یہ بھی ناممکن ہے کہ اس سفر کے دوران میں ان جیسا بالغ نظر اور تیز فہم شخص مصر کے عام حالات سے بے خبر رہا ہو۔ اس طرح حضرت عمرو بن العاص کو مصر سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور تھی۔ پھر عمرو بن العاص ان چار اصحاب میں سے تھے جنھیں حضرت ابو بکر نے اسلامی فوج کا افسر بنا کر فتح شام کے لئے بھیجا تھا۔ اس فتح کے دوران میں بھی وہ مصر اور شام کے گہرے سیاسی تعلق سے ناواقف نہ رہے ہوں گے، اور انھیں اس کا بھی بخوبی علم ہوگا کہ قیصر ہرقل نے شام کی حفاظت کی غرض سے مصر کی تمام رومی فوجیں وہاں سے ہٹا کر شام میں جمع کر دی ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے وہ جانتے تھے کہ مصر پر حملہ کرنا اور اُسے فتح کر لینا کس قدر آسان کام ہے۔ ۱۸ھ میں جب حضرت عمر جابیہ آئے تو عمرو بن العاص نے ان سے اس کا تذکرہ کیا، اور انھیں یقین دلایا کہ فتح مصر مسلمانوں کے لئے قوت وامداد کا سرچشمہ ہوگی، کیونکہ یہ ملک جس قدر دولت مند ہے اسی قدر اپنی حفاظت کرنے سے عاجز ہے۔ حضرت عمر اس پر راضی نہیں تھے کہ مسلمانوں کو

---

[۴۸] ابن عبد الحکم ص ۵۳-۵۵ + الکندی ص ۷

کسی ناگہانی خطرے میں ڈالیں۔ لیکن آخر عمرو بن العاص کے اصرار پر تین ہزار اور چار ہزار سپاہیوں کے درمیان ایک مختصر سی فوج ان کے سپرد کی، اور غالباً اس خیال سے کہ خلیفہ کہیں اپنا ارادہ نہ بدل دیں، عمرو بن العاص اسی رات کو مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ کوچ ذی الحجہ ۱۸ھ میں شروع ہوا، اور محرم ۱۹ھ میں عربوں نے مصر کے باب الداخلہ، فرما کو فتح کر لیا۔ یہ فتح مصر کا آغاز تھا۔ اس عرصے میں حضرت عمر نے بھی مصر کی فتح کا ارادہ کر لیا تھا، اور حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں پانچ ہزار تازہ دم فوج عمرو بن العاص کی مدد کے لئے بھیج دی تھی۔

اب یہ متحدہ فوج آگے بڑھی، اور رجب ۱۹ھ میں عین شمس کے سامنے رومی فوج کو شکست دی۔ شہر کی فتح کے بعد قلعہ بابلیون کی مزاحمت جاری رہی۔ مقوقس بذات خود یہاں موجود تھا۔ اس نے عمرو بن العاص سے خط و کتابت شروع کی، اور معاہدے کی شرائط طے کرنے کے بعد ان کی توثیق کے لئے قسطنطنیہ گیا۔ مگر قیصر ہرقل نے یہ عہد نامہ تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور مقوقس کو جلا وطن کر دیا۔ اس دوران میں ۲۲ صفر ۲۰ھ کو ہرقل کا انتقال ہو گیا، اور جب اہل بابلیون ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو انھوں نے ربیع الثانی ۲۰ھ کو ہتھیار ڈال دئے۔ اس فتح سے ڈلٹا کے مشرقی حصے اور مصر صعید پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا، اور عمرو بن العاص دریائے نیل کو عبور کر کے اس کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ نیکو پہنچے۔ یہ مقام ایک اسقفیہ کا مرکز تھا۔ ۲۶ جمادی الثانی ۲۰ھ کو اہل شہر نے اطاعت قبول کر لی۔ اب اسلامی فوج آہستہ آہستہ اسکندریہ کی طرف بڑھی، یہ شہر سیاسی، بحری اور تجارتی لحاظ سے اس قدر اہم تھا کہ اسے کھو دینا رومیوں کے لئے خودکشی کے مترادف تھا۔ اس لئے یہاں مسلمانوں کی مزاحمت ہوئی۔ وہ اس کے گرد و نواح کے علاقوں پر تو قابض ہو گئے، مگر اس کے مستحکم اور قلعبند بندرگاہ کو فتح نہ کر سکے۔ اس دوران میں قسطنطنیہ سیاسی انقلابات اور شورشوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ آخر وہاں جب ذرا سکون ہوا، اور یہ محسوس کیا گیا کہ اسکندریہ کو

بچانا ناممکن ہے تو مقوقس کو دوبارہ مصر بھیجا گیا' تاکہ جس طرح بنے عمرو بن العاص سے مفید مطلب شرائط پر صلح کرلے۔ اس کے بعد مقوقس نے کیا طرز عمل اختیار کیا' اور اس میں اور مسلمانوں میں کیا گفت وشنید ہوئی۔ اس کی تفصیل ہمیں معلوم نہیں۔ بہرحال یہ طے پایا کہ ۱۶ شوال ۲۱ھ کو شہر مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے' اور جو یونانی چاہیں وہاں سے چلے جائیں۔ یونانیوں کو یہ معاہدہ ناگوار گذرا۔ لیکن اسے منظور کرنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ اسکندریہ کے قبضے سے مصر کی فتح مکمل ہو چکی تھی۔ لیکن قسطنطنیہ کی حکومت اتنی آسانی سے اسکندریہ سے دست بردار نہیں ہو سکتی تھی۔ ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں رومیوں کا ایک بیڑا منیئول کی سرکردگی میں اسکندریہ پہنچا۔ اہل شہر نے عربوں کی اطاعت سے انحراف کیا' اور رومی بغیر کسی مزاحمت کے شہر میں داخل ہو گئے۔ عمرو بن العاص اس وقت مصر کے حاکم نہیں تھے اور ان کے جانشین عبداللہ بن سعد بن ابی سرح جب حالات پر قابو نہ پا سکے تو انھیں پھر وہاں بھیجا گیا۔ اس دفعہ انھوں نے پھر اپنی اعلیٰ سپہ سالاری کا ثبوت دیا' اور تھوڑی ہی مدت میں شہر خالی کرا لیا۔ پہلی فتح بذریعہ صلح تھی اور مسلمانوں نے اہل شہر کے جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا لیکن اب دوسری بزور شمشیر فتح کے بعد فاتحین اس قسم کی تمام پابندیوں سے آزاد تھے۔ اسکندریہ میں رومی مزاحمت کا خاتمہ کر دینے کے بعد مصریوں نے عربوں کی مزاحمت نہیں کی بلکہ انھیں اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا جیسے کچھ مدت قبل وہ ایرانیوں کو لے چکے تھے۔ ان جنگوں کے علاوہ جن کا ذکر اوپر ہوا' مصر میں عربوں کی فوجی مہموں کا حال نہیں ملتا' اور نہ یہ تذکرہ ہے کہ مصریوں نے عربوں کی اطاعت سے کہیں انحراف کیا تھا۔

مصر کے حدود اربعہ قدرتی طور پر متعین ہیں۔ شمال میں بحیرۂ روم ہے' مغرب میں صحرائے لیبیا' اور مشرق میں ریگستان عرب اور بحیرۂ احمر' صرف جنوبی سرحد غیر معین ہے' اور واقعات کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ پہلی فتح اسکندریہ کے بعد ضروری تھا کہ مغربی سرحد کو بحیثیت مجموعی محفوظ بنا لیا جائے۔ چنانچہ ۲۱ھ کے اواخر میں حضرت عمرو بن العاص نے

برقہ کو اور ۲۲ھ (یا بروایتے ۲۳ھ) میں طرابلس الغرب کو فتح کر کے یہ کمی پوری کر دی[۵]۔ ذی الحجہ ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے عمرو بن العاص کو معزول کر کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا، اور شہری اور مالی حکومت (صلاۃ وخراج) ان کے سپرد کر دی۔ عبداللہ بن سعد ۲۳ھ سے ۳۵ھ تک حاکم مصر رہے۔ اس عرصے میں انھوں نے دو کام انجام دئے۔ اول تو انھوں نے جرجیر (گریگوری) جو طرابلس الغرب سے طنجہ تک تمام شمالی افریقہ کے ساحل پر رومیوں کی طرف سے حاکم تھا، شکست دی[۶]۔ گو یہ واقعہ شمالی افریقہ کی فتح کا آغاز تھا، لیکن عبداللہ بن سعد نے ملک پر قبضہ کرنے کا خیال نہیں کیا، کیونکہ اس وقت مقصد مصر کی مغربی سرحد کی مزید حفاظت تھا۔ اس کے علاوہ انھوں نے مصر کی جنوبی سرحد کو بھی متشخص کر دیا۔ نوبہ کی سرحد پر مسلسل جنگ جاری رہتی تھی، اور عمرو بن العاص نے بھی اس طرف توجہ کی تھی۔ لیکن بالآخر ۳۱ھ میں عبداللہ بن سعد نے، حضرت عثمانؓ کی خلافت میں، نوبہ پر حملہ کیا۔ دُمقلہ یا دُنقلہ کے مقام پر سخت معرکہ پیش آیا، جس میں مسلمانوں نے بہت کچھ نقصان اُٹھا کر آخر فتح پائی۔ اس جنگ کے بعد جسے الکندی[۷] نے غزوۃ الاساود لکھا ہے، مسلمانوں اور اہل نوبہ میں ایک معاہدہ طے پایا، جو بقط کہلاتا ہے۔ مقریزی[۸] نے اس کی پوری عبارت نقل کی ہے۔ اس کے مطابق نوبہ پر مسلمانوں کی سیادت قائم ہوگئی، مصر کی جنوبی سرحد متشخص کر دی گئی، اور اس کے بدلے مسلمانوں نے وعدہ کیا کہ مصر سے غلّہ نوبہ بھیجا جایا کرے گا۔

اس طرح بہیئت مجموعی ۳۱ھ میں مصر کی فتح مکمل ہوئی۔ تاریخ مصر میں اس سے بڑا انقلاب

---

۵ الکندی ص ۹، ۱۰۔

۶ ابن الغداری ج ۱۔ ص ۴ ۔ ۹

۷ کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۱۲

۸ خطط ج ۱۔ ص ۲۰۰

اس سے قبل کبھی واقع نہیں ہوا تھا۔ اس تیرہ برس کے عرصے میں صرف یہی نہیں ہوا کہ مصر کے حکمران بدل گئے، اور باشندوں کو نئے حالات سے دوچار ہونا پڑا، بلکہ یہ واقعہ مصر کی حقیقی آزادی کا پیش خیمہ تھا۔ تمام فاتحین اب تک مصر کو اپنے مفاد کی تکمیل کا ایک ذریعہ سمجھتے آئے تھے۔ اہل مصر کی حیثیت خود انھیں کے ملک میں غلاموں سے ذرا کم تھی۔ ان کے لئے قوانین جدا تھے، معاشرے میں انھیں کوئی درجہ حاصل نہ تھا، فوج میں وہ شریک نہیں ہو سکتے تھے، ہر وقت اور ہر طرح کے مظالم کا شکار ہوتے رہتے تھے، اور مذہبی تنازعات کی وجہ سے ان کا ملک خون ریزی اور فتنے کا گھر بن گیا تھا۔ اسکندریہ جیسا قدیم مرکز علم و فضل برباد ہو چکا تھا، اور وہاں کے مدرسے اور کتب خانے مذہبی دیوانگی کے نذر ہو کر تباہ حال تھے۔ علم کے ساتھ فن بھی رخصت ہو چکا تھا۔ لیکن اب اسلامی فتح سے ایک سیاسی انقلاب کی تکمیل ہی نہیں ہوئی بلکہ ایک ہمہ گیر ذہنی اور مادی انقلاب شروع ہوا۔ ایک ایسی قوم وہاں حکمران بنی جو آزادی کا حقیقی مفہوم سمجھتی تھی، اور اسے عزیز رکھتی تھی۔ ان کا سیاسی اور معاشری نظام اور ان کی زبان اس جذبے کو نقصان پہنچانے کے بجائے اُسے اور زیادہ پختہ اور مستحکم بنا دیتے تھے۔ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ ان جذبات کا اثر مفتوحہ قوم پر نہ پڑے۔ نئی عرب حکومت ان کے ساتھ خواہ کیسا ہی سلوک کرے، ناممکن تھا کہ حکومت عربی زبان کی اشاعت روک دے، اور جوں جوں یہ زبان ملک میں پھیلتی گئی، ناممکن تھا کہ اس زبان کے مخصوص جذبات آزادی کی اشاعت ملک میں نہ ہو۔ دوسری نعمت جو اس نئی فتح سے اہل مصر کو حاصل ہوئی وہ قرآن شریف کا قانون تھا۔ قدیم قانون کی طرح یہ کتاب مہور نہ تھی کہ مخصوص اشخاص کے سوا کوئی اسے سمجھ یا پڑھ ہی نہ سکے۔ صلائے عام تھا، بلکہ ہر شخص کا فرض تھا، کہ اس قانون یعنی قرآن کو پڑھے اور سمجھے، اور اپنے جائز حقوق و فرائض سے واقف ہو۔ مراعات کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اول تو عربی زبان کی اشاعت بذات خود آزادی کی تحریک کا باعث ہوئی، اور پھر جوں جوں قرآن کی اشاعت وسیع تر ہوتی گئی اس تحریک میں

سرعت اور تندی پیدا ہوئی۔ کوئی حکمران قوم جو قرآن کو ماننے والی ہو اس تحریک کا خاتمہ نہیں کر سکتی، کیونکہ مفتوح قوم کے مطالبات جب قرآن پر مبنی ہوں تو ان سے انکار کرنا ناممکن ہے یہی کیفیت مصر کی ہوئی۔ عربی زبان اور قرآن کی اشاعت نے اس ملک کے باشندوں کو نئی زندگی بخشی، جس کا پتہ اس کی ہزارہا سالہ تاریخ وتمدن میں نہیں ملتا۔

(۳)

مصر کی فتح کے بعد حضرت عمرو بن العاص کو وہاں کا حاکم "علی الصلاۃ وعلی الخراج" مقرر کیا گیا اور وہ چار سال چند مہینے وہاں رہے[۱۰]۔ اس دوران میں اگر انھوں نے مصر میں کوئی نئے سیاسی یا انتظامی ادارے قائم کیے تھے تو ان کا علم ہم تک نہیں پہنچا۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ پرانا نظم ونسق بدستور جاری رہا تھا، اور اس میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ آپ کے عہد حکومت میں عربوں نے صرف اس سے غرض رکھی کہ جو محاصل انھوں نے عائد کیے ہیں وہ باقاعدہ طور پر وصول ہوتے رہیں۔ جہاں تک مرکزی اور صوبہ واری حکومتوں کا تعلق ہے عمرو بن العاص ضروری امور کے متعلق ہمیشہ خلیفہ سے استفسار کرتے تھے اور ان کے احکام پر عمل کرتے تھے۔ ورنہ تفصیلی طور پر ان تعلقات کا تذکرہ کرنا ناممکن ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ فتح مصر سے عربوں کو کیا معاشی فائدے پہنچے؟ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ ۱۸ھ ہی میں حجاز کے قحط کو مصر کے غلے کی مدد سے دور کیا گیا تھا۔ اس ابتدائی دور میں عربوں کو اسی قسم کی مدد کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ اسی کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عمرو بن العاص اور مصریوں کی ایک جماعت کو مدینہ بلایا، اور ان سے کہا کہ وہ سب اس پر غور کریں کہ ایک نہر دریائے نیل سے ساحل بحر احمر تک کھودی جائے، تاکہ حجاز تک غلہ پہنچنے میں آسانی ہو۔ کیونکہ غلہ کو دور سے اونٹوں پر لاد کر لانے میں

---

[۱۰] الکندی ص ۱۱۔

اتنا وقت گذر جاتا تھا کہ اہل حجاز اس سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اہل مصر نے آپس میں مشورہ کیا، وہ اس تجویز کے مخالف تھے، کیوں کہ اس سے ان کے ملک کے معاشی حالات پر برا اثر پڑتا تھا۔ لیکن کچھ ردو قدح کے بعد وہ اس پر راضی ہو گئے، اور حضرت عمرو بن العاص نے ایک سال میں یہ نہر (خلیج) جو خلیج امیرالمومنین کہلاتی تھی تیار کرالی، اور اس میں باربرداری کی کشتیاں چلنے لگیں۔ چنانچہ اب مکہ اور مدینہ کو اسی ذریعے سے غلہ بھیجا جانے لگا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز بن مروان کے زمانہ تک یہ خلیج برابر کام میں آتی رہی، مگر بعد کے والیوں نے اس کی طرف توجہ نہ کی اور وہ ریت سے پٹ گئی۔ مصر کے حاجی کبھی ساحل تنیس سے اسی خلیج کے ذریعہ سفر کر کے قلزم پہنچتے تھے، اور وہاں سے بحری جہازوں میں منتقل ہوا کرتے تھے[۱۱]

حضرت عمرو بن العاص کے سامنے پہلا اور فوری مسئلہ یہ تھا کہ فاتح فوج کہاں ٹھیرائی جائے۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ معاہدے کے مطابق یونانیوں نے اسکندریہ خالی کر دیا تھا، اور وہاں کے مکانات بے کار پڑے تھے۔ ابن[۱۲] عبدالحکم نے بیان کیا ہے کہ جب عمرو بن العاص اسکندریہ میں داخل ہوئے تو یہ دیکھ کر کہ وہاں کے جو مکانات خالی پڑے ہیں وہ مسلمانوں کے لئے کافی ہوں گے' انھوں نے وہیں قیام کرنا چاہا؛ اور حضرت عمر سے اس کے متعلق استصواب کیا گیا۔ لیکن آپ اس کے خلاف تھے کہ آپ کے اور مسلمانوں کے درمیان دریا حائل ہو' اور یہ معلوم کر کے اسکندریہ تک پہنچنے کے لئے نیل عبور کرنا پڑتا ہے' انھوں نے عمرو بن العاص کو اسکندریہ میں قیام کی اجازت نہیں دی' اور وہ فسطاط واپس آ گئے۔ یہاں آ کر نئے مسائل پیدا ہوئے۔ مختلف عرب قبائل جو اس فاتح فوج میں شریک تھے' ان میں جائے قیام کے متعلق

۱۱۔ سیوطی: حسن المحاضرہ۔ ج ۱۔ ص ۷۶، ۷۷۔

۱۲۔ فتوح مصر واخبارہا۔ ص ۹۱۔

جھگڑے ہونے لگے، کیونکہ یہ قبائل اس عرصہ میں ایک دوسرے سے مِل جل گئے تھے۔ اس پر عمرو بن العاص نے معاویہ بن حُدَیج التُجیبی، شریک بن سُمَیِ الغطیفی، عمرو بن قحزم الخولانی جیویل بن ناشر المغافری کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ مختلف قبائل کی قیام گاہ کا تعین کریں ۲۱ھ میں انھیں حضرات نے لوگوں کو مختلف مقامات میں اتارا اور مختلف قبائل کو الگ الگ کیا۔[۱۳]

اگر ہم عربوں کے دوسرے بسائے ہوئے شہروں کا مقابلہ فسطاط سے کریں تو ایک بین فرق نظر آئے گا۔ عراق میں کوفہ اور بصرہ دو شہر بالکل اسی غرض سے بسائے گئے تھے، جو فسطاط کے بسانے کی غرض تھی۔ ان دونوں شہروں میں عرب قبائل ملے جلے رہتے تھے، اور یمنی اور مضری یا قیسی قبائل کے لئے شہر کے الگ الگ حصے مختص نہ تھے اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ ان شہروں میں زیادہ تعداد قیسی قبائل کی تھی یا یمنی قبائل کی۔ برخلاف اس کے فسطاط کو اس طرح تقسیم کیا گیا تھا کہ ہر قبیلہ الگ الگ رہتا تھا۔ مذکورۂ بالا حضرات نے جس طرح مختلف خطط بنائے تھے، اور جن جن قبیلوں کے لوگ اُس وقت مصر میں موجود تھے، اُس کی پوری تفصیل ہم تک پہنچی ہے۔[۱۴]

ان خطط پر نظر ڈالنا دلچسپی کا باعث ہوگا۔ سب سے پہلے خطّۂ اہل الرایہ تھا۔ اس خطے میں قریش، انصار، خزاعہ، اسلم، غفار، مزینہ، جُہَینہ، ثقیف، اَشجَع، دوس، عبس بن بُغَیض، بنو کنانہ کے حرش اور لیث بن بکر کے لوگ آباد تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے میں مختلف قبائل ملے جلے تھے، اور اسی وجہ سے اس تمام آبادی کو عمرو بن العاص نے ایک جھنڈے تلے جمع کر کے ان کا دیوان بھی یک جا کر دیا تھا۔ انہیں میں

۱۳؎ خطط ج ا۔ ص، ۲۹، منقول از قضاعی + ابن تغری بردی ج ا۔ ص ۴۷ + سیوطی ج ا۔ ص ۴۷ + سیوطی نے ناموں کا املا الکندی اور مقریزی سے ذرا مختلف لکھا ہے۔

۱۴؎ ۔ خطط ج ا۔ ص، ۲۹۸، ۲۹ + ابن عبد الحکم ص ۹۱، ۱۳۲ + قلقشندی ج ۳۔ ص ۳۲۹ - ۳۳۳ -

عُتَقَا بھی شامل تھے، مگر وہ عربوں سے الگ رہتے تھے۔ ان سب کو ایک عام نام اہل الرایہ دے دیا گیا تھا۔ خطہ مہرہ: بن حیدان بن عمر بن الحاف بن قُضاعۃ ابن مالک بن حمیر۔ خطۃ تُجیب: اشرس بن شُبیب بن اسکن بن الاشرس بن کندہ کے دو بیٹوں عدی اور سعد کی اولاد تھے۔ تُجیب ان کی ماں کا نام تھا۔ پھر خطۃ لخم۔ یہ دو خطے تھے: خطۃ اللفیف: اسکندریہ کی فتح کے بعد عمرو بن العاص کو معلوم ہوا کہ رومی بیڑہ اسکندریہ آرہا ہے۔ انھوں نے خبریں معلوم کرنے کے لئے جاسوس مقرر کئے۔ اس اثنا میں وہ قبائل جو لفیف کہلاتے ہیں اسکندریہ کی حفاظت کے لئے جمع ہو گئے۔ انھیں قرآن شریف (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۰۶) کے مطابق لفیف کا عام نام دے دیا گیا۔ ان میں ازد، حجر، غسان، شجاعہ، نضر بن جُذام، لخم، حزاف اور تنوخ کے لوگ تھے۔ یہ سب ایک جگہ رہتے تھے۔ لیکن ان کے دیوان الگ الگ تھے۔ یہ سب قبیلے یمنی یا کلبی تھے۔ خطۃ اہل الظاہر: یہ وہ لوگ تھے جو عمرو بن العاص کی فتح اسکندریہ سے واپسی کے بعد، جب فسطاط کے خطط معین ہو چکے ہیں، اسکندریہ سے وہاں آئے تھے۔ اس لئے انھیں شہر کے باہر جگہ ملی تھی۔ انھیں کے ساتھ عُتَقَا بھی تھے۔ ان کے دیوان اہل الرایہ کے ساتھ تھے اور خطط شہر سے باہر تھے۔ ان میں ازد اور فہم کے لوگ تھے۔ خطۃ الغافق اور خطۃ الصدف تھے۔ یہ دونوں قبائل بھی یمنی تھے۔ خطۃ الفارسیین میں وہ ایرانی رہتے تھے جو باذان کی بقیہ فوج کے سپاہی تھے، اور فتح مصر میں عمرو بن العاص کے ساتھ شریک رہے تھے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ ان کا تعلق بھی یمنیوں ہی سے تھا۔ خطۃ مذحج، خطۃ عطیف بن مراد، خطۃ وعلان، خطۃ یحصب، خطۃ رُعین، خطۃ ذو الکلاع، خطۃ معافر بن یعفر بن مُرّہ بن ادد، خطۃ سبا، خطۃ رجبہ، خطۃ السلف بن سعد، خطۃ بنی وائل، خطۃ القبض بن مرثد، خطۃ الحمراوات الثلاث۔ ان لوگوں کو یہ نام اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ ان میں وہ رومی شامل تھے، جو جنگ یرموک سے قبل اسلام لے آئے تھے، اور قیساریہ وغیرہ کے رہنے والے تھے۔ ان رومیوں کے علاوہ

اس خطے میں یمنی قبائل بھی رہتے تھے، جیسے بلیّ بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ، فہم، عدوان، ازد، بنو بحر، بنو سلامان، یشکر بن لخم وغیرہ۔ ان کے خطط کی تعداد تین تھی: الاولیٰ، الوسطیٰ، القصویٰ۔ ابن عبدالحکم[16] نے لکھا ہے کہ فسطاط کی تخطیط کے وقت خطط اور قلعے کے درمیان ایک میدان بطور جولان گاہ کے چھوڑ دیا گیا تھا۔ مگر امیر معاویہ نے یہ میدان خرید کر بطور قطائع مختلف لوگوں میں تقسیم کر دیا تھا۔

فسطاط سے قطع نظر، ایک اور مقام جہاں عرب نو آباد کار بسے اور فسطاط کی طرح ان کے خطط معین کئے گئے جیزہ تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عمرو بن العاص، اسکندریہ سے آنے کے بعد جب فسطاط میں مقیم ہوئے تو اس سمت میں اپنے آپ کو دشمن سے محفوظ کرنے کے لئے انھوں نے یمنیوں میں سے آل ذی اصبح، یافع بن زید بن رعین، همدان، آزد کے بعض حصے، اور بنو حجر بن الھبو بن الازد کو حبشیوں کی ایک جماعت کے ساتھ جیزہ میں مقرر کیا۔ جب ہر طرح امن و امان ہو گیا تو آپ نے ان قبائل کو بھی فسطاط بلایا، مگر ان لوگوں نے نقل مکان کرنا پسند نہیں کیا، اور جیزہ میں مستقل قیام کرنا چاہا۔ حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی۔ حسب دستور خلیفہ نے اعتراض کیا کہ ان میں اور مسلمانوں میں دریا حائل ہوگا، اور لکھا کہ اگر دشمنوں نے اچانک ان اہل جیزہ پر حملہ کیا تو عمرو بن العاص ان کی مدد نہیں کر سکیں گے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ ہی رکھو اور اگر وہ جیزہ میں رہنے پر اصرار ہی کریں تو سرکاری آمدنی (فیٔ المسلمین) سے ایک قلعہ ان کے لئے تعمیر کرا دو۔ مگر انھیں یہ مقام اتنا پسند آ گیا تھا کہ اب بھی انھوں نے نقل مکان کرنے سے انکار کیا۔ قلعہ تعمیر کرنے پر ہمدانی معترض ہوئے اور کہا کہ "ہماری تلواریں ہمارے قلعے ہیں" بہرحال ۲۱ھ میں عمرو بن العاص نے

---

[16] ـ فتوح مصر و اخبارہا، ص ۱۳۲ + سیوطی ج ۱۔ ص ۶۵ +

خلیفہ کے حکم کی تعمیل کی اور قلعہ بنوانا شروع کیا۔ ۲۲ھ میں یہ قلعہ مکمل ہوا۔ ھمدان اور ان کے علاوہ جتنے اور قبائل جیزہ میں آباد ہوئے وہ سب یمنی تھے۔ عمرو بن العاص نے ان کے لئے خطط مقرر کئے، اور یہ قبائل زراعت میں لگ گئے۔[۱۷]

عربوں کی آبادی کا تیسرا مرکز اسکندریہ تھا۔ یہاں ابو الاسود بن نضر بن عبدالجبار کے سوا اور کسی کا خط نہیں تھا، اور یزید بن حبیب کی روایت ہے کہ حضرت زبیر بن العوام کا بھی ایک خط تھا۔ ان کے سوا باقی سب آخائذ تھے۔ اس کی صورت یہ تھی کہ جس شخص نے جس مکان پر قبضہ کر لیا، وہ مع اپنے اہل خاندان کے وہاں اتر پڑا۔ چنانچہ خود عمرو بن العاص نے بھی ایک قصر پر قبضہ کیا تھا، اور بعد میں اسے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام ہبہ کر دیا تھا۔ عثمان بن صالح نے بیان کیا ہے کہ عمرو بن العاص نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ ایک حصہ شہر اسکندریہ کی حفاظت کے لئے اور ایک چوتھائی ساحل کی حفاظت کے لئے مقرر تھا، باقی دو حصے وہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اول الذکر دو چوتھائی حصے اسکندریہ میں گرمی اور سردی کے موسم میں تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ ہر عریف کا ایک محل تھا، جہاں وہ مع اپنے حصہ فوج کے اترتا تھا۔ جب ساحل کی فوج اسکندریہ منتقل ہوتی تھی تو سپاہی انھیں گھروں میں اترتے تھے جہاں ان کے ساتھی پہلے رہ چکے تھے۔ ان مکانات کی مرمت رومیوں کے ذمے تھے، اور خالی ہونے پر رومی ہی ان پر قابض ہو جاتے تھے۔[۱۸] سپاہیوں کو شہر کے مکانات میں ٹھیرانا قدیم رومی طرز عمل تھا، اور عربوں نے پرانے نظم و نسق کے ساتھ اسے بھی اختیار کر لیا تھا۔

مصر میں عربوں کی یہ پہلی تدوین تھی، اور حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھوں اس کی

---

۱۷ خطط ج ۱ ص ۲۰۶ + سیوطی ج ۱ ص ۶۶ + ابن عبد الحکم ص ۱۲۸-۱۲۹

۱۸ ابن عبد الحکم ص ۱۳۰ + سیوطی ج ۱ ص ۶۵ +

تکمیل ہوئی[19]۔ اِن خطط پر، اور اُن قبائل کے ناموں پر جو ان خطط میں آباد تھے، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ مصر کے فاتح یمنی یا کلبی تھے، اور انھیں کو مصر میں جگہ دی گئی تھی۔ صرف فہم اور عدوان دو قیسی قبائل مصر میں آباد ہوئے تھے۔

یمنی قبائل میں بھی تُجیبؔ سب سے پیش پیش تھے۔ معاویہ بن حُدَیج التُّجَیبی کا اس سے قبل ہو چکا ہے۔ ان کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا وہ صحابی تھے یا نہیں۔ لیکن ابتدائی فتوحات مصر میں ہی انھیں یہ درجہ حاصل تھا کہ اسکندریہ کی فتح کی خبر دینے کے لئے انھیں کو حضرت عمرو بن العاص نے حضرت عمرؓ کے پاس بھیجا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں اور اس کے بعد شیعان عثمان میں سب سے زیادہ سربرآوردہ آدمی سمجھے جاتے تھے، اور اس فتنے کے زمانے میں مصر میں موجود تھے۔ واقعہ صفین میں امیر معاویہ کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔ محمد بن ابوبکر کے خلاف جو فوج بھیجی گئی تھی اس کے سپہ سالار تھے۔ ۴۵ھ اور ۵۰ھ کے درمیان انھوں نے افریقہ میں نمایاں فتوحات حاصل کیں۔ بنوامیہ میں ان کی عظمت وشان کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ۵۸ھ میں جب وہ امیر معاویہ سے ملنے کے لئے دمشق گئے ہیں تو راستے میں ان کے لئے خاص انتظامات کئے گئے تھے: "تعظیماً لشأنہ"[20] معاویہ بن حُدَیج کی اولاد بھی نہ صرف بنوامیہ بلکہ بنوعباس کے زمانے میں سربرآوردہ اور معزز رہی۔ اور بڑے بڑے شہری اور عدالتی عہدوں پر فائز ہوتی رہی۔ کنانہ بن بِشر بن سلیمان التجیبی ان لوگوں میں سے تھا جو مصر سے حضرت عثمان کے خلاف مدینہ گئے تھے۔ وہی حضرت عثمان کا قاتل ہے، اور دوسرے قاتلانِ عثمان کے ساتھ معاویہ بن حُدَیج نے اسے بھی

---

[19] خطط ج ۱۔ص ۹۴+

[20] ابن تغری بردی ج ۱۔ص ۲۲، ۵۴، ۸۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۴۶، ۱۵۵، ۱۶۰، ۱۶۸، ۱۶۹+ ابن عبدالحکم ص ۹۵، ۱۰۲، ۱۳۰، ۱۸۸، ۱۹۲، ۱۹۴+

قتل کرایا تھا۔ اسی کے متعلق ولید بن عقبہ کا قول ہے۔ ؎

الا ان خیر الناس بعد ثلاثۃ　　قتیل التجوبی الذی جاء من مصر

ومالی لا ابکی وتبکی اقاربی　　وقد حجبت عنا فضول ابی عمر[۲۱]

سلیم بن عمیر التجیبی ۳۹ھ میں مصر کے پہلے قاضی مقرر ہوئے تھے اور ۷۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔[۲۲] ۸۴ھ میں غیاض بن غنم التجیبی اسکندریہ کے والی مقرر ہوئے تھے۔[۲۳] ۷۵ھ میں عبدالعزیز بن مروان اپنے بھائی خلیفہ عبدالملک سے ملنے کے لئے دمشق گیا ہے تو اس نے زیاد بن حنظلہ التجیبی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔[۲۴] ۳۵ھ میں عبداللہ بن سعد جب حضرت عثمان سے ملنے مدینہ گئے تو انھوں نے سلیم بن عمیر التجیبی کو مالیات کا حاکم (علی الخراج) مقرر کیا تھا۔[۲۵] یہ پہلا موقع تھا کہ "علی الصلاۃ" اور "علی الخراج" دو الگ الگ عہدہ دار مقرر ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کا قاتل بھی مصر کا رہنے والا عبدالرحمٰن بن بحنس تجیبی تھا۔[۲۶] تجیب کے بعد دوسرا مقتدر قبیلہ خولان تھا۔ ۶۲ھ میں یزید بن معاویہ نے سعید بن یزید کو حاکم مقرر کیا، مگر اہل مصر کو یہ شخص پسند نہ آیا۔ مصریوں کا ایک وفد جس میں عمرو الخولانی بھی شریک

---

[۲۱] الکندی ص ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۹ + خطط ج ۲۔ص ۳۳۵، ۳۳۶ + مبرد۔ ج ۲۔ص ۲۴۰ + ولہاوسن (انگریزی ترجمہ) ص ۹۷ +

[۲۲] ابن تغری بردی ج ۱۔ص ۲۱۴

[۲۳] ابن تغری بردی ج ۱۔ص ۲۲۹، ۲۳۰

[۲۴] ابن تغری بردی ج ۱۔ص ۲۱۳ + الکندی (ص ۵۱) : زیاد بن حناط بن سیف

[۲۵] ابن تغری بردی ج ۱۔ص ۱۰۳ + خطط (ج ۱۔ص ۳۰۰) میں سلیم بن عمیر کا نام سلیمان بن عنتر اور الکندی (ص ۱۲) میں سلیمان بن عمر التجیبی ہے۔

[۲۶] الکندی ص ۵۱، ۳۲۱ +

تھا، اس سے ملا اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا[۲۷]۔ ۸۵ھ میں عبداللہ بن عبدالملک بن مروان حاکم مصر، اپنے بھائی خلیفہ ولید سے ملنے دمشق گیا ہے تو اس نے عبدالرحمٰن بن عمرو بن مخزوم الخولانی کو اپنا قائم مقام مقرر کیا[۲۸]۔

فوج کے مختلف قبائل کی جا، قیام کا تعین کرنے کے علاوہ عمرو بن العاص نے موسم بہار میں ہر قبیلے کے لئے اس کی قیام گاہیں اور چراگاہیں (التربیع واللبن) بھی مقرر کر دیں، مگر اسے خود قبائل کی پسند پر چھوڑ دیا۔ زیادہ تر جن مقامات کو اس کام میں لایا جاتا تھا، وہ مَنُوف، سَمَنُّود، اَھنَاس اور طحا تھے۔ اہل الرایہ مختلف جگہوں میں منتشر ہو جاتے تھے۔ آل عمرو بن العاص اور آل عبداللہ بن سعد نے منوف اور وسیم پسند کئے تھے۔ ھُذَیل نے بنا اور بُوصِیر، عدوان نے بوصیر اور عک کے قرئے۔ ان کا بڑا حصہ بوصیر، منوف، سندبیس (یا سبندس) اور اتربیت میں یہ موسم گذارتا تھا۔ قبیلۂ بَلِی منوف اور طرابیہ میں، فہم اتربیت، عین الشمس اور منوف میں، مہرہ تنا اور تُمَیّ میں، صدف فیوم میں، تجیب تُمَیّ، بسط اور وسیم میں، لخم فیوم، طرابیہ اور قربَیط میں، جذام طرابیہ اور قَربَیط میں، حضرموت بَبَا، منوف اور فیوم میں، ان کے ساتھ عبس بن زوف بھی تھے۔ حمیری بوصیر اور اھناس کے قریوں میں۔ اسی طرح اس سلسلے میں اور قبائل کے نام بھی بیان ہوئے ہیں۔ ابن[۲۹] عبدالحکم لکھتا ہے کہ گو یہ انتظامات ایک حد تک مستقل تھے، لیکن بعض قبائل کبھی کبھی ایک جگہ سے دوسری جگہ تجاوز بھی کر جاتے تھے۔ بڑے بڑے قبائل انھیں مقامات میں موسم بہار گذارتے تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں بھی جن قبیلوں کا نام لیا گیا ہے ان میں عدوان اور فہم کے سوا سب یمنی ہیں۔ خواہ مقامات

---

۲۷ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۱۷۵۔

۲۸ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۳۳۔

۲۹ فتوح مصر و اخبارھا ص ۱۴۱۔۱۴۳۔ جہاں پوری تفصیل ملیگی۔ اس کے علاوہ دیکھو خطط ج ۲۔ ص ۲۶۰، ۲۶۱۔

کے لحاظ سے کتنی ہی تبدیلی کیوں نہ ہوتی ہو، اتنی بات یقینی ہے کہ یہ قاعدہ محض وقتی نہیں تھا، بلکہ سال بسال یہی طرزِ عمل اختیار کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ سالانہ قیام کے دوران میں کچھ قبائل ایسے بھی تھے جنھوں نے مختلف اطراف میں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ مُدلج نے حمیر کے بعض افراد کے ساتھ خَربتا میں، اور خشین نے لخم اور جذام کے ساتھ رل کرصان، اِہلیل اور طرابیہ میں مستقل نوآبادی بنالی تھی[۴۰]۔

عربوں کا فسطاط، جیزہ اور اسکندریہ میں بس جانا، اور خصوصاً موسم بہار میں اس طرح مختلف مقامات میں منتشر ہو جانا، درحقیقت مصر میں عربیت کے ارتقاء کی پہلی منزل تھی۔ کیونکہ ان کے قیام کے ساتھ ساتھ عربی زبان، عربی معاشرت اور عربی جذبات بھی ان مقامات میں پھیلے۔ یہ ایک چیز تھی جہاں عربوں نے قدیم رومی اصول کی پابندی نہیں کی، اور شروع ہی سے ملک میں پھیلنا شروع کر دیا۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس تدوین سے حکومت کو کیا فائدہ پہنچا؛ واقعہ یہ ہے کہ عرب، جہاں کہیں بھی وہ آباد ہو، ایک پیشہ ور سپاہی سمجھا جاتا تھا، اور بوقت ضرورت اسے فوج میں شریک ہونا پڑتا تھا۔ قانوناً سپاہی ہونے کے لحاظ سے وہ اس کا مجاز نہ تھا کہ زراعت یا کسی اور پیشے کو بسر اوقات کا ذریعہ بنائے[۴۱]۔ گزارے کے لئے اُسے حکومت سے حسب مراتب وظیفہ (فریضہ) ملتا تھا، اور کوئی عرب ایسا نہ تھا جو وظیفہ خوار نہ ہو۔ چنانچہ امیر معاویہ کے زمانہ میں بیان ہوا ہے کہ مصر کے دیوان کی تعداد چالیس ہزار تھی، اور ان میں چار ہزار ایسے تھے جنھیں دو دو سو دینار وظیفہ ملتا تھا[۴۲]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[۴۰] ابن عبد الحکم ص ۱۴۲ + خطط ج ۲۔ ص ۲۶۱ +

[۴۱] سیوطی ج ۱۔ ص ۷۵، ۷۶ +

[۴۲] خطط ج ۱۔ ص ۷۹ +

اُس زمانے میں مصر میں عرب فوج کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، یہ عرب جو کسی زمانے میں سپاہی تھے، رفتہ رفتہ اراضی کے مالک ہوتے گئے، اور زراعت نہ کرنے کی پابندی اٹھ گئی۔ مگر ان کے فریضے بدستور جاری رہے، گو ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی چنانچہ عمر بن عبد العزیز نے اس "عطا" میں اضافہ کیا[۴۳] اور ان کے جانشین یزید بن عبد الملک نے اپنے حاکم مصر، بشر بن صفوان کو حکم دیا کہ یہ اضافہ منسوخ کر دے[۴۴]۔

(۴)

یہ شہری تنظیم اور عرب قبائل کی نو آبادکاری کے مسائل کا فیصلہ حضرت عمرو بن العاص کے فرائض کا صرف ایک حصہ تھا۔ وہ مالیات کے حاکم (علی الخراج) بھی تھے، اور اس نو مفتوحہ ملک کے ذرائع آمدنی اور محاصل کا تصفیہ کرنا بھی انھیں کا فرض تھا۔

حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر کی طرف کوچ کیا ہے تو حضرت عمر جابیہ میں موجود تھے۔ یہ وہ موقع تھا جب آپ نے انتظامی امور کی تشخیص کی ہے اور نظم و نسق اور مالیات کے متعلق مختلف معاملات کا فیصلہ فرمایا ہے۔ اس وقت جو خطبہ آپ نے ارشاد کیا ہے، اور جس میں یہ اصول بیان کئے ہیں، وہ بہت مشہور ہے[۴۵]۔ اس طرح فتح مصر سے ذرا ہی قبل نظم و نسق کے عام قواعد مرتب ہو چکے تھے، اور ضرورت کے لحاظ سے ان کا جاری کرنا باقی رہ گیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مصر کی اراضی کی پوری پیمائش ہو چکی تھی، اور مردم شماری بھی مکمل موجود تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو یہاں وہ مسائل پیش نہیں آئے جن سے انھیں دوسری فتوحات میں دوچار ہونا پڑا۔ بہر حال فتوحات کا یہ ابتدائی دور

---

[۴۳] خطط ج ۱۔ ص ۳۰۲ + الکندی ص ۶۹ +

[۴۴] ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۷۲ + الکندی ص ۷۰ +

[۴۵] ابن عساکر ج ۱۔ ص ۱۷۵ ۔ ۱۸۰ + ابن الاثیر۔ کامل۔ ج ۲۔ ص ۲۱۷ +

تھا اور محاصل کا کوئی خاص پروگرام مرتب نہیں ہوا تھا۔

فتح کے دوران میں اور اس کے فوراً بعد، فاتح فوج کو رسد کی ضرورت پیش آئی تھی۔ اس ابتدائی زمانے کے متعلق ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ مصر کے تین روسا سے الگ الگ تین عہد نامے طے ہوئے تھے، اور ان کے مطابق صلح کی شرط یہ تھی کہ فی کس دو دینار بطور "جزیہ" ادا کئے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق جزیہ صرف بالغ مردوں پر لگایا گیا تھا۔[۳۶] اور اس کے علاوہ "ارزق المسلمین" کا انتظام کیا جائے۔ پانچ شرطیں اور تھیں: کہ انھیں جلا وطن نہیں کیا جائے گا، ان کی عورتوں کو ان سے الگ نہیں کیا جائے گا، کاشتکاروں سے تعرض نہیں ہوگا، وہ اراضی سے بے دخل نہیں کئے جائیں گے اور محاصل میں اضافہ نہیں ہوگا۔[۳۷] "ارزق المسلمین" کی تفصیل یہ بیان ہوئی ہے کہ ہر ماہ فی کس ایک اردب غلہ دیا جائے گا۔ چربی اور شہد کی مقدار راوی نے بیان نہیں کی۔ اس کے علاوہ وہ کپڑے اور لباس مہیا کرنے پڑتے تھے جو خلیفہ کی طرف سے لوگوں میں تقسیم کئے جاتے تھے۔ رعایا پر یہ بھی فرض تھا کہ جو مسلمان ان کے ہاں مقیم ہوں تین دن تک اُن کی ضیافت کا انتظام کریں۔[۳۸]

ابتدائی عہد کے جو قرطاس دریافت ہوئے ہیں ان سے اس روایت کی توثیق ہوتی ہے، اور بعض اور تفصیلات بھی معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے زیادہ اہم چیز فوج کی رسد تھی، خصوصاً اس وقت جب کہ فوج کوچ کر رہی ہو تین دن کے "ارزق المسلمین"

---

۳۶ خطط ج ۱۔ ص ۷۶ +

۳۷ خطط ج ۱۔ ص ۷۶، ۷۷، ۱۹۴ + بلاذری۔ ص ۲۳۱ - ۳۲۶، ۳۲۱ +

۳۸ ابن عبدالحکم ص ۱۵۲ + خطط ج ۱۔ ص ۷۶ + ضیافت کی تفصیل، امام شافعی کی کتاب الام۔ ج ۴۔ ص ۱۲۳ - ۱۲۴ +

ایک قفیز گیہوں فی کس فی ماہ، نصف پیمانہ تیل، موٹا پسا ہوا آٹا، بھیڑیں اور پکا ہوا کھانا تھے۔ گھوڑوں کے چارے کی قیمت نقد ادا کرنی پڑتی تھی۔ انھیں قرطاسوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو سپاہی گھروں میں مقیم ہوتے تھے ان کے لئے گھر والوں کو کیا انتظامات کرنے پڑتے تھے[39]۔

حضرت عمرو بن العاص پہلے شخص تھے جنھوں نے مصر سے محصول کیا۔ یہ رقم، بحساب دو دینار فی کس، ایک کروڑ بیس لاکھ دینار تھی[40]۔ لیکن کیا یہ محصول وہی چیز ہے جسے جزیہ کہتے ہیں؟ غالباً بیکر پہلا شخص ہے جس نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ابتدائی زمانے میں جزیہ اور خراج مترادف الفاظ تھے، اور دوسری صدی ہجری میں پہلی مرتبہ ان میں فرق پیدا ہو گیا ہے۔ اُس[41] نے رومی طرز عمل کے متعلق ولکن[*] کا ایک بیان نقل کیا ہے، جس سے عربوں کے طریق عمل کی توضیح ہوتی ہے۔ ولکن لکھتا ہے کہ تیسری صدی عیسوی سے سلطنت روما میں محاصل وصول کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ صوبے کو مختلف اضلاع میں تقسیم کر کے ایک مقررہ رقم ہر ضلع پر عائد کر دی جاتی تھی، اور یہ رقم مجموعی طور پر ضلع سے

---

[39] بیکر ص ۸۴ +

[40] خطط ج ۱۔ص ۹۸ + سیوطی (ج ۱۔ص ۸۷) نے عبداللہ بن صالح سے روایت کی ہے کہ سنہ ۲۱ھ میں عمرو بن العاص نے دس لاکھ دینار، اور سنہ ۲۲ھ میں بابلیون کی فتح کے بعد، ایک کروڑ بیس لاکھ دینار۔ خراج (یا جزیہ) وصول کیا تھا۔ ابن حوقل (ص ۸۷) نے بھی یہی رقم بتائی ہے۔ بلاذری (ص ۲۲۳) نے صرف بیس لاکھ لکھا ہے۔ بٹلر کا یہ خیال درست ہے کہ یہ رقم کاتب کی غلطی سے بجائے ایک کروڑ بیس لاکھ کے صرف بیس لاکھ رہ گئی ہے یعقوبی (ج ۲ ص ۳۳۹) نے لکھا ہے کہ پہلے سال آمدنی ایک کروڑ چالیس لاکھ تھی، اور دوسرے سال ایک کروڑ دینار تھی۔ بہرحال ایک کروڑ بیس لاکھ متفقہ رقم ہے۔ دیکھو بٹلر ص ۴۵۲، ۴۵۳۔ حاشیہ لین پول ص ۱۹۔ اور حاشیہ +

[41] بیکر ص ۸۸ +　　[*] Wilcken

وصول کر لی جاتی تھی۔ مصر پر جو مجموعی رقم عائد کی جاتی تھی وہ بھی ملک کے بڑے بڑے شہروں پر، جو اضلاع یا صوبوں کے صدر مقام تھے، تقسیم کر دی جاتی تھی۔ اضلاع کے ملازم اس کا انتظام اس طرح کرتے تھے کہ سر بر آوردہ لوگوں سے اس کی ادائی کے متعلق عہد لیتے تھے۔ جو رقم اس طرح وصول طلب قرار پاتی تھی وہ وصول کنندگان وصول کر لیتے تھے[42]۔ اب اگر غور کیا جائے تو یہاں لگان اراضی، فی کس محصول یا کسی اور محصول کا نام نہیں آتا۔ بلکہ مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ مختلف محاصل کو یک جا جمع کر کے ایک مشت رقم کسی نہ کسی طرح وصول ہو جائے۔ اس رقم میں علاوہ لگان کے تجارتی محصول اور رومی فی کس محصول بھی شریک تھا، اور اسے صرف اس لحاظ سے فی کس محصول کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر شخص سے بحصہ رسدی وصول ہوتا تھا۔ بعینہ یہی عمل پہلی صدی ہجری میں جاری رہا اور جزیہ اور خراج (لگان) میں فرق نہیں کیا گیا۔ کیونکہ عرب اتنے بے وقوف نہ تھے کہ اس بنے بنائے اصول کو توڑ کر نئے مخمصوں میں پھنستے اور محاصل کے نظام میں ابتری پیدا کر دیتے۔ اس کی چند مثالیں نقل کر دینا کافی ہوگا۔ بلاذری[43] نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کی ادائی پر اہل اَذرُح سے صلح کی تھی۔ یہاں مردم شماری اور فی کس محصول کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ عام معنوں میں جزیہ نہیں بلکہ خراج (باج) ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دحیۃ الکلبی کو خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا ہے کہ تین چیزوں میں ایک اختیار کر لے۔ ان میں سے ایک جزیہ ہے: ان یقرّ لہ بخراج یجری علیہ[44]۔ آپ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ اسلامی فوجیں باہر بھیجی ہیں تو سپہ سالاروں کو ہدایت کی ہے کہ دشمن کے سامنے تین شرطیں پیش

---

[42] عبدالعزیز بن مروان نے اسکندریہ میں بعینہٖ یہی طرز عمل اختیار کیا تھا +

[43] فتوح البلدان ص ۶۶، ۶۷ + اس کے علاوہ دیکھو ص ۷۱، ۷۳، ۸۷، ۱۲۸، ۱۳۱، ۱۴۳، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۵ +

[44] الاستخراج لاحکام الخراج - ص ۵ +

کریں کہ ان میں سے ایک قبول کرلے : اسلام یا جزیہ اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو جنگ حضرت خالد بن ولید نے عراق میں اہل حیرہ سے اور شام وفلسطین میں اہل دمشق اور اہل حمص سے یک مشت رقمیں وصول کی ہیں اور انھیں جزیہ ہی کہا گیا ہے۔ ان موقعوں پر بھی مردم شماری اور فی کس محصول کا ذکر نہیں، اور نہ اس کا موقعہ تھا۔ صریحاً یہاں جزیہ سے مراد پھر خراج (دباج) ہے۔ امام زہریؒ[۵۵] کا قول ہے کہ :

الخراج اسم لما یخرج من الفرائض
فی الاموال و یقطع علی القریة وعلی مال
الفیٔ و یقع علی الجزیة وعلی الغلة والخراج الصدّ۔

یہاں خراج اور جزیہ ہم معنی ہیں۔ دوسرے عرب مصنف بھی دونوں میں فرق نہیں کرتے یا کم از کم ان کے بیانات مبہم ہیں :

قال یحیی بن سعیدؒ[۵۶] : فنحن نقول الجزیة جزیتان : جزیة علی روس الرجال وجزیة جملة تکون علی اهل القریة یوخذ بها اهل القریة فمن هلك من اهل القریة التی علیهم الجزیة مسماة علی القریة لیست علی رؤس الرجال فانا نری ان من هلك من اهل القریة ممن لا ولد له ولا وارث

یحیی بن سعد کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک جزیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ جزیہ سروں پر اور جزیہ مجموعی طور پر (جملة) اہل قریہ پر جس کا مطالبہ اہل قریہ سے کیا جاتا ہے۔ اس لئے اہل قریہ میں سے ایسے لوگ مریں جن پر اہل قریہ کا مجموعی جزیہ ہے اور سروں پر جزیہ نہ ہو تو ہماری رائے ہے کہ ایسے مرنے والے اگر اولاد اور وارث نہ چھوڑیں

---

۵۵ الاستخراج الاحکام الخراج ص ۵ +

۵۶ ابن عبدالحکم ص ۱۵۴ + خطط ج ۱۔ ص ۷۷ +

ان ارضہ ترجع الی قریتہ فی جملۃ ماعلیھم من الجزیۃ ومن ھلک من جزیتہ علی رؤس الرجال ولم یدع وارثاً فان ارضہ للمسلمین ۔

تو ان کی زمین مجموعی طور سے اہل قریہ پر لوٹ جاتی ہے، اور ایسے لوگ مریں جو جزیہ علی الرؤس ادا کرتے ہیں اور وارث نہ چھوڑیں تو ان کی زمینوں کے مالک مسلمان ہیں ۔

یہ فقیہ صریحاً جزیہ اور لگان کو ایک سمجھتے ہیں، مگر وہرے طرز عمل سے بھی واقف ہیں حالانکہ حالت یہ ہے کہ جزیہ اور لگان ہر صورت میں ایک ہی لوگ ادا کرتے تھے، اور یک مشت ادا کرتے تھے ۔ لغویین بھی خراج اور جزیہ کو ہم معنی سمجھتے ہیں ۔ الخوارزمی[۱۷] نے صاف لکھا ہے: الجزیۃ معرب گزیت وھوالخراج بالفارسیۃ ۔ پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کے حالات میں طبری[۱۸] نے لکھا ہے کہ

انما خراج خراسان علی رؤس الرجال ۔

امام غزالی[۱۹] نے جزیہ میں ضیافت اور خراج دونوں کو شریک کیا ہے ۔ ان تمام باتوں پر نظر رکھتے ہوئے صرف یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ابتدائی عہد میں جو فی کس محصول لگایا گیا تھا وہ ہر جگہ رومی نظام محاصل کے مطابق تھا، اور یہ محصول حقیقت میں خراج (یا باج) ہے نہ کہ جزیہ قرآن شریف میں بھی جزیہ کی غرض و غایت اور اس کے عائد کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ دشمنانِ اسلام اپنی تحقیر و ذلت محسوس کریں ۔ یہ کیفیت فی کس محصول سے، جسے عرف عام میں جزیہ کہتے ہیں، اتنی واضح طور پر محسوس نہیں ہوتی جتنی کہ اس طرز عمل سے کہ تمام قوم کو فاتحین کا

---

[۱۷] مفاتیح العلوم ۔ص ۳۹ + اس کے علاوہ دیکھو لسان العرب، تحت جزی، خرج، اور ضرب + لین پول (انگریزی) تحت جزیہ ۔ خراج، ضریبہ وغیرہ ۔

[۱۸] طبری ج ۷ ۔ص ۱۹۶ +

[۱۹] کتاب الوجیز ج ۲ ۔ص ۱۹۷ ۔ ۲۰۲ +

باج گذار بنا لیا جائے، اور ان کی آزادی سلب ہونے کا انھیں یقین دلا دیا جائے۔ پہلی صدی میں جزیہ سے یہی مراد تھی۔ دوسری صدی میں جزیہ اور خراج میں فرق پیدا ہوا، اور برابر نمایاں ہوتا چلا گیا۔ اس وقت بھی جزیہ مسلمانوں کی خاص ایجاد نہیں تھا۔ رومی عہد میں فی کس محصول لگایا جاتا تھا، جسے ابتدائی دور میں دیگر محاصل سے ضم کر کے سب کو خراج (باج) قرار دیا گیا تھا۔ دوسری صدی میں مسلمانوں نے رومی فی کس محصول کو دوبارہ عائد کیا، اور اس کا نام جزیہ رکھا۔ عربی عہد کے پورے سو برس تک یہ محصول نہیں لگایا اور لوگ اُسے بالکل بھول گئے تھے۔ جب اس کا احیا ہوا تو قاعدہ کی بات ہے کہ تمام براہ راست محصول رعایا کو ناگوار گزرتے ہیں، اور یہ محصول بھی ناگوار گذرا۔ اس وقت سے اب تک جزیہ کا لفظ قابل نفرت سمجھا جا رہا ہے۔

حضرت عمرو بن العاص نے دو دینار فی کس جو اہل مصر پر عائد کئے ہیں وہ بھی دراصل خراج (باج) ہیں، اور اسے زمانۂ مابعد کا جزیہ نہیں سمجھنا چاہئے۔ اس کے عائد کرنے کا اصول بھی قدیم رومی طرز عمل کے عین مطابق ہے، اور اس میں وہ فی کس محصول بھی شامل ہے جو رومی زمانے میں لگایا جاتا تھا۔ یہ قدرتی امر ہے کہ شروع شروع میں فاتحین کبھی ملک یا زمین سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک محصول ادا کرنے والے ملک کے باشندے ہیں نہ کہ زمین۔ انھیں اس سے بھی غرض نہیں ہوتی کہ یہ رقم کس طرح وصول ہوتی ہے۔ بہر حال اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی فتح کے بعد اہل مصر پر سے محاصل کا بوجھ کم ہو گیا تھا، کیوں کہ رومی نظام محاصل گنجلک بھی تھا اور مطلق العنانہ بھی[۵۰]۔ محاصل کی مقدار اور ان کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی۔ خاص خاص اشخاص یا جماعتیں ادائی محاصل سے مستثنیٰ تھیں۔ چنانچہ ملنے کے مطابق اہل اسکندریہ فی کس محصول کی ادائی سے بری تھے[۵۱]۔ یہی حال

---

۵۰ ملنے - ص ۱۱۹-۱۲۵۔

۵۱ دیکھو بٹلر ص ۴۵۳، ۴۵۴۔

مذہبی پیشواؤں کا تھا۔ مگر اب عربوں کے زمانے میں مستثنیات کا زمانہ ختم ہوچکا تھا، اور اہل اسکندریہ بھی بغاوت کرکے اپنے حقوق کھو چکے تھے۔ عربوں نے محض ایک یا دو محصولوں پر اکتفا کرکے ایک اصلاحی صورت پیدا کی۔ محاصل کی تعداد گھٹا دینے کی وجہ سے انتظامی مصارف میں کمی ہوئی، اور محصول ادا کرنے والے بھی بار زیادہ محسوس نہیں کرتے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاص نے تنظیم اراضی اور ان کے محاصل کو کس حالت میں پایا۔ اس کے متعلق ایک قدیم روایت ابن[۵۲] عبد الحکم میں محفوظ ہے، اور مقریزی اور سیوطی نے اسے نقل کیا ہے۔

وکان عمرو بن العاص لما استوثق له الامر اقر قبطها علی جبایة الروم، وکانت جبایتهم بالتعدیل. اذا عمرت القریة وکثر اهلها زید علیهم واذا قل اهلها وخربت نقصوا. فیجتمع عرفاء کل قریة وماروتها ورؤساء اهلها، فیناظرون فی العمارة والخراب، حتی اذا اقروا من القسم بالزیادة انصرفوا بتلك القسمة الی الکور. ثم اجتمعوا هم ورؤساء القری

جب حضرت عمرو بن العاص کی حکومت مستقل ہوگئی تو انھوں نے قبطیوں پر وہی محصول رکھا جو رومیوں کے زمانے میں تھا، کیونکہ یہ طریقہ عادلانہ تھا۔ اگر کوئی قریہ خوش حال ہے اور باشندوں کی کثرت ہے تو اس پر اضافہ کیا جاتا تھا، اور اگر باشندوں کی تعداد کم ہے اور قریہ تباہ حال ہے تو (محصول کی رقم میں) کمی کردی جاتی تھی۔ ہر قریے کے چودھری اور بڑے بڑے سربرآوردہ لوگ جمع ہوتے تھے، اور قریے کی آبادی اور تباہی پر بحث کرتے تھے۔ اگر وہ

---

۵۲ فتوح مصر واخبارھا۔ ص ۱۵۲ + خطط ج ۱۔ ص ۷۷ + حسن المحاضرہ۔ ج ۱۔ ص ۷۱ + تینوں مصنفوں کی عبارت میں چند لفظی اختلافات ہیں۔ ہم نے یہاں ابن عبد الحکم کو پیش نظر رکھا۔ بہرحال یہ اختلافات ایسے نہیں جن سے نفس مضمون پر کوئی اثر پڑے۔ اس کے علاوہ دیکھو بٹلر ص ۴۵۱، ۴۵۲ +

فوزعوا علی احتمال القری وسعة
المزارع ثم ترجع کل قریة بقسمهم
ویجمعون قسمهم وخراج کل
قریة وما فیها من الارض العامرة
فیبذرون فیخرجون من الارض
فدادین لکنائسهم وحماماتهم
ومعدیاتهم من جملة الارض،
ثم یخرج منها عدد الضیفة
للمسلمین ونزول السلطان۔ فاذا
وزعوا، نظروا الی ما فی کل
قریة من الصناع والاجراء فقسموا
علیهم بقدر احتمالهم۔ فاذا کانت
فیها جالیة قسموا علیهم بقدر
احتمالهم وقل ما کانت تکون
الارجل المنتاب او المتزوج۔
ثم ینظرون ما بقی من الخراج
فیقسمونه بینهم علی عدد الارض،
ثم یقسمون ذلك بین من یرید الزرع
منهم علی قدر طاقتهم۔ فان
عجز احدٌ وشکا ضعفاً عن زرع
ارضه، وزعوا ما عجز اعنه علی الاحتمال

اس پر راضی ہوگئے کہ زیادتی ہونی چاہیئے تو
وہ اس تقسیم کو مرکز ضلع (کورہ) میں لاتے تھے
پھر اور قریوں کے لوگ جمع ہوتے تھے، قریوں
کی طاقت برداشت اور کھیتوں کی وسعت کے
لحاظ سے حصوں کی تشخیص کرکے انھیں تقسیم
کرتے تھے۔ اس کے بعد ہر قریے کے لوگ
جمع ہوتے تھے اور اپنی تقسیم کو جمع کرتے تھے
پھر ہر قریہ کا لگان مقرر کر دیا جاتا تھا، جو اُن
کی آباد زمین کے مطابق ہوتا تھا۔ اس کے بعد
وہ زمین الگ کرتے تھے: یعنے اتنے فدان
کلیسا کے لئے، حماموں کے لئے اور کشتیوں
کے لئے۔ پھر اس کے بعد تقسیم شدہ رقم میں سے
مسلمانوں کی ضیافت اور سرکاری حکام
کی عارضی سکونت کے لئے رقم الگ کرتے
تھے۔ پھر دیکھتے تھے کہ ہر قریے میں کتنے
دستکار اور پیشہ ور ہیں اور ان کی طاقت
برداشت کے مطابق محصول لگاتے تھے،
اور اگر ان میں جلا وطن لوگ (جالیہ) بھی شامل
ہوں تو ان کی استطاعت کے مطابق ان پر
بھی محصول عائد کرتے تھے۔ لیکن
ان میں سے صرف وہ جو بالغ ہوں یا

وان كان بينهم من يريد الزيادة
أعطى ما عجز عنه اهل الضعف. فان
تشاحوا قسموا ذلك على
عدتهم: فكانت قسمتهم على
القراريط الدينار اربعة عشرين
قيراطا يقسمون الارض على ذلك
وكذلك يروى عن النبي صلى الله عليه
وسلم" انكم ستفتحون ارضا
يذكر فيها القيراط فاستوصوا
باهلها خيرا". وجعل عليهم
لكل فدان نصف اردب قمح
وويبتين من شعير الا القرط فلم
يكن عليه ضريبة والويبة يومئذ
ستة امداد. وكان عمر بن الخطاب
...... يانف ممن صالحه من العاهدين
ماسمى على نفسه لا يضع من ذلك
شيئا ولا يزيد عليه ومن نزل
منهم على الجزية ولم يسم
شيئا يوديه نظر عمر فى امره
فاذا احتاجوا خفف عنهم وان

باشادی شدہ اس میں حصہ دار ہوتے تھے۔ ب
دیکھتے تھے کہ کتنا خراج باقی ہے۔ اور اسے
آپس میں زمین کی مقدار کے مطابق تقسیم کرتے
تھے۔ پھر جو لوگ زراعت کا ارادہ رکھتے ہوں
ان کی استطاعت کے مطابق ان پر تقسیم کرتے
تھے۔ اگر کوئی (ادائی سے) عاجز ہو اور کاشت
سے مجبوری ظاہر کرے تو اس کی زائد زمین بھی
ان لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی جو اس کی برداشت
کی طاقت رکھتے ہوں۔ اگر کوئی ایسے ہوں جو
زیادتی چاہتے ہوں تو ان لوگوں سے جو عجز ظاہر کریں
زمین لے کر انھیں دے دی جاتی تھی۔ جھگڑے
کی صورت میں زمین تعداد کے مطابق تقسیم ہوتی
تھی۔ حصے کا حساب قیراط سے لگاتے تھے۔
ایک دینار میں چوبیس قیراط شمار ہوتے تھے۔ اسی
وجہ سے آنحضرت صلعم کی ایک حدیث بیان
کی گئی ہے کہ: "تم جلد ایک ملک فتح کروگے
جس میں قیراط کا ذکر ہوگا۔ اس ملک کے باشندوں
سے اچھا سلوک کرنا"۔ ایک فدان (ایکڑ)
میں نصف اردب جو اور دو ویبہ گیہوں محصول
عائد کیا گیا تھا، سوائے قرط[۵۳] کے جس پر محصول

[۵۳] قرط مصر کا خاص پودا ہے۔ اس کی رکھوالی بھی خاص پر کی جاتی تھی۔ ابن مماتی ص ۸۱۔ ولیس لاحد

بقیہ صفحہ آئندہ

استغنوا زاد علیھم بقدر استغنائھم۔

معاف تھا۔ اس زمانے میں ایک ویبہ چھ مُد کے برابر تھا۔ عمر بن الخطاب ...... ان لوگوں سے جو ان سے معاہدے کے مطابق صلح کریں، وہی لیتے تھے جو وہ اپنے اوپر عائد کریں، اس میں نہ کمی کرتے تھے اور نہ زیادتی۔ اور جو لوگ جزیہ[۵۴] پر مطیع ہوتے تھے اور کسی قسم کی ادائی معین نہ ہوتی تھی تو حضرت عمران کے معاملے پر غور کرتے تھے۔ جب وہ محتاج ہوتے تو کمی کر دیتے اور جب وہ غنی ہو جاتے تو ان کے غنی کے مطابق بیشی کر دیتے۔

وہ علاقہ جسے اس روایت میں کورہ کہا گیا ہے۔ رومی زمانے میں نوم[†] کہلاتا تھا، اور ہر نوم مختلف چھوٹے حصوں میں منقسم تھا۔ یہی وہ قریہ ہے جو محاصل کی غرض سے ایک اکائی سمجھا جاتا تھا۔ ملکی انتظام کو بھی عربوں نے بدستور قائم اور جاری رکھا تھا۔ محاصل کی مقدار کا فیصلہ کہ ہر قریہ کتنی رقم ادا کرے نہ رومی زمانے میں حکومت کی طرف سے

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ) من الناس ان ینصرف فیہ سوی مستخدمی الدیوان و متی وجدوا شیئًا لم یکن اشتری منہ استھلکوہ۔ و لیس لہٗ سعر یستقل بل تساوی مائۃ اردب مطحون من سبعین دینارًا الی ثلاث مائۃ دینار علی قدر اجتھاد و المستخدم و امانتہ و حسن نصر فہ وھو یکثر فی وقت و یقل فی وقت۔ اس کی بیع کے احکام کے متعلق دیکھو کتاب الام۔ ج ۳۔ ص ۵۹ ت

[۵۴] یہاں جزیہ سے صریحًا محصول اراضی مراد ہے۔

[†] Nome

ہوتا تھا اور نہ اب عربی حکومت میں۔ صرف کورہ کا حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔ فتح مصر کے وقت جو عہد نامہ ہوا تھا اس میں مفتوحین کی مذہبی آزادی برقرار رکھی گئی تھی۔ اس لئے کلیسا کا انتظام خود اہل مصر کے تصرف میں تھا، اور اُس کے اخراجات کے لئے وہی لوگ رقم مہیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی طرف سے کلیسا پر کوئی محصول نہیں لگایا گیا، پیشوایان مذہب محصول سے بری تھے، اوران کی طرف سے بھی اہل وہ محصول ادا کرتے تھے۔ زراعت پر تمام محصولوں کا بوجھ ڈالنا اور تاجروں کو اس سے مستثنیٰ رکھنا قرین انصاف نہ تھا۔ اس لئے قیاس یہ ہے کہ تجارت پر بھی محصول لگایا گیا ہو۔ خود رومیوں میں بھی اس کا دستور تھا۔ جالیہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنا وطن ترک کر کے کسی دوسرے مقام پر بس گئے ہوں[55]۔

اب ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص کے زمانے میں عربوں نے مصر کے اندرونی نظم ونسق میں بالکل دخل نہیں دیا تھا، اور صرف اس سے غرض رکھی تھی کہ محصول کی رقم وصول ہوتی رہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے قبطیوں سے مشفقانہ سلوک مرعی رکھا تھا، اور اس کی ضرورت بھی تھی۔ ظاہر ہے کہ مصر میں عربوں کی تعداد مٹھی بھر تھی، اور وہ نظم ونسق کے کام سے قطعاً ناواقف تھے۔ اس لئے لازمی تھا کہ پرانے ملازموں کو برقرار رکھا جائے۔ ابھی چالیس برس کا زمانہ گزرنا اور باقی تھا کہ مسلمان اندرونی نظم ونسق میں حصہ لیں، اور قبطیوں کو برطرف کرنے کا خیال دل میں لائیں۔ بہرحال عمرو بن العاص کی حکومت سے مصری مطمئن[56] تھے۔ کلیسا کا ایک ذمہ دار افسر بھی ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے، اس نے اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے خراج معاہدے کے مطابق وصول کیا، اور

---

۵۵ الخوارزمی۔ مفاتیح العلوم۔ منقول از خطط الشام۔ ج ۵۔ ص۔ ۵ +

۵۶ فتوح البلدان۔ ۲۲۳، ۲۲۴ +

کلیسا کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اس کے بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ تبدیل مذہب کے واقعات اُس زمانے میں ہی پیش آنے شروع ہو گئے تھے۔ اُسے شکایت ہے کہ لوگ بڑی تعداد میں تبدیل مذہب کر رہے تھے۔ یقیناً کلیسا کے افسر کو اس طرح کی تھوڑی سی تعداد بھی بہت معلوم ہوتی ہوگی مگر جیسا کہ آیندہ واقعات سے اندازہ ہوگا، یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ عرب اپنے آپ کو مصر کا فاتح اور مالک اور قبطیوں کو اپنا محکوم نہیں سمجھتے تھے[۵۷]۔

آخر میں اس کا ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مورخین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ مصر بزورِ شمشیر فتح ہوا تھا۔ اس رائے کی تصدیق میں وہ یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص کے پاس اخنا کا رئیس آیا اور کہا کہ ہمیں بتا دو کہ ہم میں سے ہر ایک پر کس قدر جزیہ (باج) ہے۔ عمرو بن العاص نے رکن کنیسہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر اس کی چھت تک تم سونا دیدو تب بھی میں اصل رقم نہیں بتاؤں گا۔ کیوں کہ تم لوگ ہمارا خزانہ ہو: جب ہم چاہیں گے تم سے کم وصول کریں گے اور جب چاہیں گے زیادہ[۵۸]۔ اس روایت کے مطابق مسلمان کسی عہد نامے کے پابند نہیں تھے۔

عمرو بن العاص دو مرتبہ والئ مصر مقرر ہوئے۔ پہلی مرتبہ حضرت عمرؓ کے عہد میں: ۲۵ھ میں حضرت عثمانؓ نے انھیں معزول کیا۔ دوسری مرتبہ امیر معاویہ نے انھیں ۳۸ھ میں والی مقرر کیا، اور ۴۳ھ میں اپنی وفات تک آپ وہیں رہے اور وہیں دفن ہوئے[۵۹]۔ پہلی ولایت کے دوران میں وہ ملک کا نظم و نسق مکمل کر چکے تھے۔

---

۵۷ بیکر۔ ص ۱۱۴، ۱۱۵ +

۵۸ ابن عبدالحکم ص ۱۵۴ +

۵۹ الکندی ص ۱۰، ۱۳۔ الخ +

(۵)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو فتنہ برپا ہوا، اُس میں مصر کے عرب پیش پیش تھے۔ خلیفہ کے خلاف سازش یہیں شروع کی گئی، اور یہیں اس کی تکمیل ہوئی، حتیٰ کہ آپ کے مقرر کردہ حاکم، عبداللہ بن سعد کو مجبوراً مصر چھوڑنا پڑا۔ مصر ہی سے مفسدوں کی ایک جماعت خلیفہ کے خلاف مدینہ روانہ ہوئی، اور یہیں کے ایک شخص کنانہ بن بشر نے حضرت عثمان کو قتل کیا۔ بظاہر اس کا مطلب یہ ہونا چاہئے تھا کہ مصر میں حضرت عثمانؓ کے مخالفوں اور حضرت علیؓ کے ہمدردوں کی تعداد زیادہ ہوتی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ہی مصر میں ایک ردّعمل شروع ہوا۔ ابتداءً شیعان عثمان کی تعداد ضرور کم تھی۔ مگر ۳۶ھ میں آپ کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لئے ایک بیعت لی گئی، اور معاویہ بن حُدیج کو شیعان عثمان نے اپنا سرکردہ مقرر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محمد بن ابی حُذَیفہ، جس نے حضرت عثمانؓ کی مخالفت میں نمایاں حصہ لیا تھا، اور مصر پر قابض ہوگیا تھا، قتل ہوا۔ اب حضرت علیؓ نے قیس بن سعد الانصاری کو مصر کا حاکم مقرر کیا، اور ۳۷ھ میں وہ وہاں پہونچے۔ انھوں نے تالیف قلوب کی حکمت عملی اختیار کی اور فرقہ وارانہ سیاسیات سے احتراز کیا۔ جب تک وہ مصر میں رہے امن وامان رہا۔ لیکن اسی سال انھیں معزول کیا گیا، اور محمد بن ابی بکر والی بن کر مصر پہنچے۔ انھوں نے اپنے طرز عمل سے مصر کے حالات کو خراب کردیا، اور اسی وجہ سے شیعان عثمانؓ کو فروغ پانے اور ترقی کرنے موقع مل گیا۔ ۳۸ھ میں یہاں شیعان عثمان اتنے کامیاب ہوگئے تھے کہ عمرو بن العاص نے امیر معاویہ کی طرف سے مصر پر قبضہ کرلیا، اور ۴۳ھ میں اپنی وفات تک وہاں رہے۔ اب بنو علی کا رسوخ اور اثر مصر سے ایسا زائل ہوا کہ ڈیڑھ سو برس تک اس خاندان کے کسی رکن کو وہاں آنے اور قدم جمانے کی ہمت نہ ہوئی۔ شیعان بنو امیہ کے قدم اب وہاں اس قدر مضبوطی سے جم گئے تھے کہ انھیں اکھاڑنا ناممکن تھا۔ ۶۴ھ میں عبداللہ بن زبیر نے عبداللہ بن عتبہ

بن جحدم کو اپنی طرف سے مصر کا والی مقرر کیا مگر وہ ایک سال بھی وہاں نہ رہ سکے۔ ۶۵ھ میں شیعان بنو امیہ نے مروان بن الحکم کو' جسے اس سے قبل شام میں خلیفہ منتخب کرلیا گیا تھا' مصر آنے کی دعوت دی' اور غرۂ جمادی الاول ۶۵ھ میں مروان فسطاط میں داخل ہوا۔ اس کا نوجوان اور ناتجربہ کار بیٹا عبد العزیز اس کے ساتھ تھا۔ اسی کو اُس نے ملک کے شہری اور مالی امور کا حاکم مقرر کیا (علی صلاتہا وخراجہا[۶۰]) بیس برس تک عبد العزیز نے یہ خدمت انجام دی۔ مروان جب مصر سے واپس ہونے لگا تو عبد العزیز نے کہا کہ " اے امیر المومنین! ایسے ملک میں میرا گذارا کیسے ہوگا جہاں میرا کوئی رشتہ دار نہیں؟" مروان نے جواب دیا:-

یا بُنَیَّ اِعُمَّہُمْ باحسانك یکونوا کلہم بنی ابیك واجعل وجہك طلقاً تصف لك مودتہم واوقع الی کُلِّ رئیس منہم انہ خاصتك دون غیرہ۔ یکن عیناً لك علی غیرہ وینقاد قومہ الیك[۶۱]۔	بیٹا۔ احسان کے ذریعے سے انھیں ایسا کرلے کہ وہ تمہارے چچا ہو جائیں' وہ سب تیرے رشتہ دار بن جائیں گے۔ ہر وقت کشادہ پیشانی رہ' تجھ سے ان کی محبت صاف ہو جائے گی۔ ہر رئیس کو یہ باور کرادے کہ دوسروں سے قطع نظر وہی تیرا خاص آدمی ہے۔ وہ دوسروں کے خلاف تیرا مددگار ہو جائیگا۔ اور اپنی قوم کو تیرا مطیع و منقاد بنادے گا۔

اس کے علاوہ مروان نے عبد العزیز کو اور بہت سی نصیحتیں کیں' جن میں اس پر خاص طور سے زور دیا کہ بغیر مشورے کے کام نہ کرنا" کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کی ضرورت پڑتی تھی تو ہم جیسوں کو اس کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے[۶۲]۔

۶۰ھ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۱۸۴+　　۶۱ھ الکندی ص ۴۷+

۶۲ھ الکندی ص ۴۸+

تاریخ گواہ ہے کہ باپ کی نصیحتوں پر بیٹے نے کس طرح عمل کیا، اور بیس برس تک کس کامیابی سے مصر پر حکومت کی۔

ابن تغری بردی[۶۳] لکھتا ہے کہ:

"کان عبد العزیز جواداً، ممدحاً، سیوساً حازماً۔"

ہم دیکھ چکے ہیں کہ مصر بنو امیہ کا وفادار اور خیر خواہ تھا۔ ایشیا میں ابھی تک فتنہ جاری تھا۔ مگر مصر میں مکمل امن وامان تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر مکہ میں خلافت کے دعویدار تھے۔ مصر کی امن سے یہ فائدہ پہنچا کہ ۷۲ھ میں خلیفہ عبد الملک نے جب عبد اللہ کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کیا تو عبد العزیز نے اپنے بھائی کی مدد کے لئے تین ہزار آدمیوں کی ایک فوج مصر سے مالک بن شراحیل (یا شرحبیل) الخولانی کی ماتحتی میں حجاز روانہ کی اور اسی فوج کے ایک شخص نے عبد اللہ بن زبیر کو قتل کیا۔ مالک بن شراحیل بنو امیہ میں اسی وجہ سے بڑا معزز سمجھا جاتا تھا، اور ۸۳ھ میں عبد العزیز نے اسے مصر کا قاضی مقرر کیا تھا۔[۶۴] اس کے علاوہ خلیفہ عبد الملک نے اس خیال سے کہ اہل شام عبد اللہ بن زبیر کے خیالات سے متاثر نہ ہونے پائیں حج کا انتظام بیت المقدس میں کرایا تھا۔ عبد العزیز نے اس بارے میں بھی اپنے بھائی کی مدد کی۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے عبد العزیز ہی نے مصر میں عرفہ ادا کیا تھا۔[۶۵]

---

[۶۳] النجوم الزاہرہ۔ ج ۱۔ ص ۱۹۵

[۶۴] الکندی ص ۵۱، ۳۲۱ + خطط ج ۱۔ ص ۳۰۲ +

[۶۵] "وعَرَّفَ بمصر وهو اول من عَرَّفَ بها" الکندی ص ۵۰ + خطط ج ۱ ص ۳۰۲ + گو فقہاء اس قسم کے عرفے کو ناجائز سمجھتے ہیں، اور اسے خلاف قانون قرار دیتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رواج اس قدر عام ہو گیا تھا کہ انھیں اس کے خلاف احتجاج کی ضرورت پڑتی تھی۔ عَرَّفَ کے معنے عرفاء مقرر کرنا نہیں ہو سکتے کیونکہ مصر میں عرفا پہلے سے موجود تھے۔

۷۰ھ میں فسطاط میں طاعون پھیلا، اور عبد العزیز وہاں سے حلوان چلا آیا، جو فسطاط سے دو فرسخ کے فاصلے پر دریائے نیل کے کنارے واقع تھا[66] اور آخری وقت تک وہیں رہا۔ یہاں اُس نے اپنے لئے نہایت عمدہ محل اور مکانات تعمیر کرائے، اور اس کی بدولت کھجور کے درخت اور انگور مصر پہنچے اور حلوان میں لگائے گئے۔ اس نخلستان کو پانی دینے کے لئے عبد العزیز نے ایک نہر کھدوائی تھی[67]۔ حلوان میں اس نے ایک اور رفاہ عام کا کام کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسے زراعت سے خاص دلچسپی تھی۔ یہاں اُس نے دریائے نیل کا پانی ناپنے کے لئے ایک مقیاس تعمیر کرایا۔ مگر اس کا ذرعہ چھوٹا تھا[68]۔ جیزہ میں بھی اُس نے کھجور کے درخت لگوائے تھے۔ یہ باغ بعد میں جنان کعب کے نام سے مشہور ہوا[69]۔ ایک روایت کے مطابق عبد العزیز ہی کے مشورے سے ۷۶ھ میں خلیفہ عبد الملک نے عہد اسلام سے پہلی مرتبہ دینار اور درہم مسکوک کرائے تھے[70]۔ اس کے علاوہ اُس نے عمرو بن العاص کی تعمیر کردہ جامع فسطاط میں اضافہ کرایا تھا[71]۔

عمرو بن العاص کے زمانے سے اب تک مصر کے حالات اس قدر تبدیل ہو چکے تھے کہ عبد العزیز نے وہاں نئے سرے سے تدوین کی۔ یہ مصر کی دوسری تدوین تھی۔ اس کی تفصیل سے تو ہم ناواقف ہیں، لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کی ضرورت کیوں واقع ہوئی تھی۔ ہم دیکھ آئے ہیں کہ عمرو بن العاص نے فسطاط کو خطط میں تقسیم کیا تھا، اور ان میں مختلف قبائل آباد کئے تھے لیکن اس عرصہ میں اکثر و بیشتر خطط پرانے باشندوں کے ہاتھ سے نکل کر نئے باشندوں کے قبضے میں

---

[66] یاقوت معجم البلدان۔ تحت حلوان + [67] خطط ج ۱۔ ص ۳۰۲

[68] ابن عبد الحکم ص ۱۶، ۲۳۶ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۱۹۲، ۲،۴

[69] ابن عبد الحکم ص ۱۱۴ + [70] ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۱۹۵ +

[71] ابن عبد الحکم ص ۱۳۱ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۷۷ + الکندی ص ۵۱ +

آ گئے تھے۔ بیع و شری کا سلسلہ جاری تھا، اور خود عبد العزیز اس میں نمایاں حصہ لے رہا تھا[۴۲]۔ ان تمام تبدیلیوں کا ایک حد تک تفصیلی تذکرہ ابن عبد الحکم[۴۳] میں محفوظ رہ گیا ہے۔ سکونتی اراضی میں تو تبدیلیاں ہو ہی رہی تھیں زرعی اراضی بھی تغیر و تبدل سے محفوظ نہیں تھیں۔ چنانچہ اب پہلی مرتبہ مصر کی معاشی اور ارضی تاریخ میں قطائع کا اثر نمایاں ہونا شروع ہوا۔ یہاں قطائع سے مراد اس قسم کی جاگیریں نہیں جن کا رواج تیسری صدی ہجری میں ہوا۔ بلکہ ان سے مراد زرعی جائدادیں ہیں جن کی خرید و فروخت ہو سکتی تھی۔ قطائع کا رواج کب سے ہوا، اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس طرح زمینیں تقسیم کرنے کی ابتداء ہوئی تھی، اور بعض کا خیال ہے کہ ان دو حضرات یا حضرت علیؓ نے کبھی قطائع تقسیم نہیں کئے[۴۴]، بلکہ یہ تبدیلی حضرت عثمان کے زمانے میں ہوئی[۴۵]۔ لیکن سب مورخوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک صحابی سَندر (یا ابن سَنْدر) کو مصر میں ایک ہزار فدان (ایکڑ) زمین بطور قطیعہ دی تھی، اور اس کے علاوہ مصر میں اور کوئی قطیعہ کسی کو نہیں دیا گیا۔ یہ قطیعہ سَندر کے مرنے کے بعد عبد العزیز کے بیٹے الاصبغ نے اُن کے وارثوں سے خرید لیا تھا، اور اسی کے نام پہ یہ زمین منیۃ الاصبغ کہلانے لگی تھی[۴۶]۔ یہ امر کہ

---

[۴۲] ابن عبد الحکم ص ۹۸، ۱۰۳، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۳ وغیرہ۔

[۴۳] فتوح مصر و اخبارھا۔ ص ۹۸۔ الخ

[۴۴] یحیی بن آدم۔ کتاب الخراج ص ۷۷، ۷۸، ۸۰ + بلاذری ص ۱۹ + ابو یوسف ص ۲۲ +

[۴۵] قطائع کی ابتداء کے متعلق تفصیلی اطلاعات ابن عساکر، تاریخ الکبیر (ج ۱۔ ص ۱۸۲۔۱۸۴) میں ملیں گی۔ اس کے علاوہ دیکھو ابن عبد الحکم ص ۱۳۲۔۱۳۹ + الخوارزمی ص ۳۹ +

[۴۶] خطط ج ۱۔ ص ۹۶ + ابن عبد الحکم ص ۱۳۷ +

کہ اس قطیعے کی خرید و فروخت ہوئی ثابت کرتا ہے کہ اسے عام معنوں میں جاگیر نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اب عرب زرعی زمینوں پر قابض ہوتے جارہے تھے۔ یہ پرانے اصول اور قانون کے خلاف تھا[۷۶]۔ حقوق مالکانہ کی انھیں تمام تبدیلیوں اور عرب قبائل کے اس طرح نقل مکان کی وجہ سے اس دوسری تدوین کی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔

اس طرز عمل سے ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی کہ جو زمینیں عربوں کے قبضے میں آگئیں ان پر لازمی طور سے لگان نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ لیکن جو خراج حسب معاہدہ حضرت عمرو ابن العاصؓ کے زمانے میں عاید کیا گیا تھا اُس میں کوئی کمی یا زیادتی ممکن نہ تھی۔ لہذا ذمیوں پر محاصل کا بوجھ بڑھتا گیا، اور سرکاری میزانیہ کو متوازن کرنے کی غرض سے محصول میں اضافہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اپنے زمانے میں امیر معاویہ نے حکم دیا تھا کہ ہر قبطی کے خراج میں ایک قیراط کا اضافہ کیا جائے۔ لیکن مصر کے صاحب الخراج وردان نے پرانے عہد نامے کی بنا پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور اس کی پاداش میں معزول ہوا تھا[۷۸]۔ اس کے بعد عراق میں حجاج نے ان ذمیوں سے، جو مسلمان ہو گئے تھے جزیہ (خراج) وصول کرنا شروع کیا، اور خلیفہ عبدالملک نے عبدالعزیز کو لکھا کہ مصر میں بھی یہی طرز عمل اختیار کرے۔ لیکن عبدالرحمٰن بن حُجَیرہ الخولانی سے مشورہ کر کے عبدالعزیز نے خلیفہ کی اس تجویز کو منظور کرنے سے انکار کر دیا تھا[۷۹]۔ عبدالرحمٰن بن حُجَیرہ کا مشورہ دو وجہ سے اہم تھا، وہ عبدالعزیز کی طرف سے مصر کے قاضی بھی تھے، اور بیت المال کے نگران تھے[۸۰]۔ انھوں نے اس کی مخالفت اس

---

[۷۶] ابن عبدالحکم ص ۱۵۴ +

[۷۸] ابن عبدالحکم ص ۸۶ + خطط ج ۱۔ ص ۷۹ +

[۷۹] ابن عبدالحکم ص ۱۵۶ + خطط ج ۱۔ ص ۷۷، ۷۸ +

[۸۰] ابن عبدالحکم ص ۲۳۵ +

بنا پر کی تھی کہ ذمی پہلے ہی اپنے راہبوں کا جزیہ (خراج) ادا کر رہے ہیں، اور ان پر مزید سختی روا رکھنا ناواجب ہے[81]۔ بہرحال عبد العزیز نے یہ مسئلہ ایک حد تک اس طرح حل کیا کہ اس کے حکم سے راہبوں کو شمار کیا گیا، اور ہر راہب پر فی کس ایک دینار جزیہ عائد کیا گیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مصر میں راہبوں سے جزیہ وصول کیا گیا[82]۔ اس سے قبل وہ اس سے مستثنیٰ تھے۔

ان روایات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عبد العزیز نے محصول کی کمی کے مسئلہ کو اس طرح حل کیا تھا کہ ذمیوں سے جو جزیہ لیا جاتا تھا وہ برقرار رکھا، اور اس کے علاوہ راہبوں پر ایک دینار فی کس جزیہ عائد کر دیا۔ حالانکہ اس سے قبل ان کی طرف سے بستیاں جزیہ ادا کرتی تھیں۔ مگر اب کہ مسلمان زمینوں پر قابض ہوتے جا رہے تھے اور خود ہی کوئی جزیہ (خراج) ادا نہ کرتے تھے تو کیسے ممکن تھا کہ راہبوں کا جزیہ ان سے وصول کیا جائے، اور اسی وجہ سے راہبوں کو اب مستثنیٰ رکھنا ناممکن تھا۔ اس سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ عبد العزیز ہی کے زمانے میں رفتہ رفتہ وہ نوبت آتی جا رہی تھی کہ جزیہ جو دراصل خراج تھا اور ذمیوں سے وصول کیا جاتا تھا، اب اس جزیہ (فی کس محصول) کی شکل اختیار کر لے جس سے ہم زمانۂ مابعد میں آشنا ہوتے ہیں۔ اس طرح عبد العزیز کے عہد میں محصول کے متعلق پرانے قاعدوں میں تبدیلی ہونی شروع ہوئی ہے، مگر ابھی تک نئے قاعدے مروج نہیں ہوئے۔ فی کس محصول پہلے ہی سے رومیوں کے زمانے میں موجود تھا، اور وصول بھی کیا جاتا تھا۔ مگر مسلمانوں کو اب تک اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ لیکن جب ضرورت پڑی تو انھوں نے بھی اس سے فائدہ اٹھانے میں دریغ نہیں کیا۔ صرف فرق یہ تھا کہ پرانا فی کس محصول تکلیف دہ اور ذلت آفریں نہیں تھا، لیکن جب نیا فی کس محصول (جزیہ)

۸۱ـه ابن عبد الحکم ص ۱۵۶ + خطط ج ۱ـ ص ۷۷، ۷۸

۸۲ـه خطط ج ۲ـ ص ۴۹۲ +

لگایا گیا تو اس سے لامحالہ فاتح اور مفتوح کا فرق نمایاں ہو گیا۔ یہی چیز عوام کو ناگوار گذرتی تھی۔

اب عبدالعزیز کے زمانے میں صرف اسکندریہ کا ذکر کرنا باقی رہ گیا ہے۔ گو رومیوں کے زمانے میں اسکندریہ میں نہ تو بلدیہ تھی اور نہ حکومت خود اختیاری کے دوسرے ادارے جو سلطنت روما کے شہروں میں پائے جاتے تھے، لیکن اس شہر کو سلطنت میں پھر بھی ایک خاص امتیاز حاصل تھا۔ یہاں کے باشندے فی کس محصول سے مستثنیٰ قرار دئے گئے تھے، اور دوسرے محاصل بھی وہاں کم یا بالکل مفقود تھے۔ اب تک مسلمانوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی تھی، اور بظاہر اہل اسکندریہ کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن اب ہر طرح مطمئن ہو جانے کے بعد وقت آگیا تھا کہ ان کی مراعات سلب کرلی جائیں، اور ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو تمام اہل مصر کے ساتھ ہو رہا تھا۔ درحقیقت بغاوت کے بعد اہل اسکندریہ کو یہ حق بھی نہیں رہا تھا کہ ان کے ساتھ کوئی خاص سلوک مرعی رکھا جائے۔ ۷۴ھ میں عبدالعزیز اسکندریہ گیا۔[۸۳] اس نے وہاں کے عمائد (وجوہ البلد) کو جمع کیا، اور مختلف کوروں اور قریوں کو ان میں تقسیم کرکے انھیں مجبور کیا کہ ہر کورہ سے ایک مقررہ رقم مزروعہ زمینوں اور تاکستانوں سے حاصل کرکے سرکاری خزانے میں جمع کرائیں۔ یہ عین قدیم رومی طرز عمل تھا۔ اب مصر کا کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہا تھا کہ جس سے محاصل وصول نہ ہوتے ہوں۔ غالباً اسی نئے انتظام کو روبراہ لانے کے لئے عبدالعزیز چار مرتبہ اسکندریہ گیا تھا۔ ۸۲ھ میں چوتھی اور آخری مرتبہ اس نے اسکندریہ کا سفر کیا تھا۔[۸۴]

اپنے بھائی وفات سے چند ماہ قبل، بیس برس دس مہینے تیرہ دن مصر پر حکومت کرنے کے بعد ۸۶ھ میں عبدالعزیز نے مصر ہی میں انتقال کیا۔ عہد اسلام میں مصر پر اس سے زیادہ طویل حکومت کسی حاکم نے نہیں کی۔[۸۵]

۸۳ھ الکندی۔ ص ۵۱ +

۸۴ھ الکندی ص ۵۳ +

۸۵ھ الکندی ص ۵۵۔

(۶)

اب عبد الملک نے اپنے ستائیس سالہ نوجوان بیٹے عبد اللہ کو ۸۶ھ میں مصر بھیجا۔ اسے حکم دیا گیا تھا کہ عبد العزیز کی نشانیاں مٹا دے۔ اسی بنا پر اُس نے پرانے عمال میں تغیر وتبدل کیا۔ مگر اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ۸۷ھ میں دواوین کو قبطیہ سے عربی میں منتقل کیا[۸۶]۔ یہ درحقیقت مصر کی تاریخ میں بہت بڑا انقلاب تھا۔ کیونکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب عرب براہ راست نظم ونسق میں حصہ لینا شروع کر رہے ہیں اور قبطیوں کو اس وقت تک جو اجارہ حاصل تھا اب ختم ہو رہا ہے۔ چند ہی سال بعد اس انقلاب کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوئے۔ لیکن اس تبدیلی کا فوری اثر یہ ہوا کہ عبد اللہ نے قبطی افسر انتناش کو دیوان سے برخاست کر کے اس کی جگہ حمص کے ایک عرب ابن یربوع الفزاری کو مقرر کیا[۸۷]۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں تھا کہ عربی زبان فی الفور عام طور پر دواوین میں استعمال ہونے لگے، اور یونانی یا قبطی بالکل بے دخل ہو جائے۔ بلکہ اس تبدیلی کی تکمیل اُس وقت ہوئی جب قبطیوں نے خود روزمرہ کی زندگی میں عربی زبان بولنی شروع کی۔ چنانچہ ۱۶۶ھ کا ایک قرطاس ملا ہے جس میں نظم ونسق کے کاروبار کے لئے یونانی زبان استعمال کی گئی ہے۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں یونانی زبان الشاذ کالمعدوم کا حکم رکھتی تھی، اور تیسری صدی میں بطریک کو مجبوراً اپنے تمام احکام عربی زبان میں نافذ کرنے پڑے ہیں تاکہ عیسائی عوام انھیں سمجھ سکیں[۸۸]۔

لیکن بہئیت مجموعی عبد اللہ کامیاب نہیں رہا۔ اول تو ۸۷ھ میں مصر میں ایسا قحط پڑا کہ جس کی مثال اس سے پہلے نہیں ملتی، اور اس قحط کو لوگوں نے عبد اللہ کی نحوست سے منسوب کیا۔

---

[۸۶] خطط ج ۱۔ ص ۹۸ +

[۸۷] خطط ج ۱۔ ص ۹۸ +

[۸۸] بیکر ص ۱۳۰، ۱۳۱ +

دوسرے اُس کا مقصد صرف اپنا بھلا کرنا، اور دولت جمع کرنا تھا۔ اسی وجہ سے اہل مصر اُسے ٹکیّس کہتے ہیں۔ اہل مصر نے اُس پر یہ بھی الزام لگایا تھا کہ وہ رشوتیں لیتا ہے اور بیت المال سے رقمیں غبن کرتا ہے۔ آخر ان شکایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنہ ۹۰ھ میں خلیفہ ولید نے اُسے معزول کرکے قُرّۃ بن شریک کو صلاۃ و خراج پر مقرر کیا[۵۸۹]۔

قُرّۃ بن شریک العبسی قِنّسرین کا رہنے والا تھا، اور سنہ ۹۰ھ سے سنہ ۹۶ھ تک مصر کا حاکم رہا۔ تاریخ میں یہ شخص بہت بدنام ہے۔ اول تو عرب مورخ اپنے کسی بڑے آدمی کے عیبوں اور کمزوریوں کو چھپاتے نہیں، اور پھر یہاں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مورخین نے مفتوحین کے ساتھ مل کر اس شخص کو بُرا بھلا کہا ہے، اور بدنام کیا ہے، کیونکہ مفتوحین کو اس کے افعال و کردار پر اعتراض تھا۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے پہلی صدی ہجری کی تاریخی روایات کا بڑا حصہ مسیحی اسناد سے ماخوذ ہے، اور زمانۂ مابعد میں جب قبطی اور عرب ایک دوسرے سے مل جل گئے ہیں، اور حکومت کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرلیا ہے تو یہ روایات عرب مورخوں کے یہاں بھی تاریخ کا ایک جزء بن گئی ہیں۔ بہرحال قرۃ بن شریک سے حضرت عمر بن عبد العزیز سخت ناراض تھے، اور ان کا یہ قول اکثر مصنف اور مورخ نقل کرتے ہیں[۵۹۰]۔

الحجاج بالعراق والولید بالشام وقرۃ بن شریک بمصر وعثمان بالمدینۃ وخالد بمکۃ۔ اللھم قد امتلأت الدنیا ظلماً وجوراً، فارح الناس۔

حجاج عراق میں، ولید شام میں، قرۃ بن شریک مصر میں عثمان مدینہ میں اور خالد مکہ میں، یا اللہ دنیا ظلم و جور سے بھر گئی ہے، لوگوں کو راحت دے۔

---

۵۸۹ ابن عبد الحکم ص ۱۲۲ + الکندی ص ۵۸، ۵۹، ۶۳ + خطط ج ۱-ص ۳۰۲ + ابن تغری بردی ج ۱-ص ۲۳۳ + سیوطی ج ۱-ص ۵۷، ۶۷ + سیوطی نے ٹکیس کے بجائے تکیس لکھا ہے۔

۵۹۰ مبرد- جزء الثانی ص ۸۷ + ابن تغری بردی ج ۱-ص ۲۴۳ +

ایک اور مصنف نے قرۃ کے متعلق لکھا ہے کہ

"کان سئی التدبیر، خبیثاً، ظالماً، غشوماً،
فاسقاً، منہمکاً"۔

آگے چل کر اسی مورخ نے بیان کیا ہے کہ جب قرۃ خلیفہ کے حکم سے فسطاط کی جامع مسجد میں اضافہ کر رہا تھا تو شام کو مزدوروں کے چلے جانے کے بعد وہ وہیں مسجد میں مجلس طرب منعقد کرتا، اور رات بھر گانا بجانا ہوتا، اور شراب کا دور چلتا؛ وہ کہا کرتا تھا کہ

"لنا اللیل و لھم النھار"[۹۱]۔

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ قرۃ اور ولید کی موت عمر بن عبد العزیز کی بد دعا کا نتیجہ تھی۔ لیکن اس کے برعکس، ولید کو اپنے افسر پر بہت بھروسہ تھا، اور وہ سمجھتا تھا کہ عراق میں حجاج اور مصر میں قرۃ بڑے کامیاب والی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان دونوں کی موت کی خبر ایک ہی دن ولید کو ملی۔ اور اُسے اس کا اتنا صدمہ ہوا کہ پریشان بال لوگوں کے سامنے آیا، منبر پر کھڑے ہو کر انھیں یہ خبر سنائی اور کہا۔

"واللہ لاشفعن لھا شفاعۃ تنفعھما"[۹۲]۔

۹۵ھ میں قرۃ بن شریک نے مصر کی تیسری مرتبہ تدوین کرائی[۹۳]۔ گو تفصیلات مفقود ہیں، لیکن قرین قیاس یہ ہے کہ عبد العزیز بن مروان کی دوسری اور قرۃ بن شریک کی تیسری تدوین کی درمیانی مدت میں عرب قبائل نے اول تو مصر ہی میں کثرت سے نقل مکان کیا تھا، اور غالباً باہر سے بھی عربوں کی اتنی بڑی تعداد مصر میں داخل ہو کر وہاں متوطن ہوئی تھی کہ اس نئی تدوین کی ضرورت پڑی۔ ہم اوپر دیکھ آئے ہیں کہ عبد الملک نے جب یہ تجویز کی تھی کہ ان

۹۱ھ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۴۲۔ منقول از مرأۃ الزمان + اس کے علاوہ سیوطی ج ۲۔ ص ۷ +

۹۲ھ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۴۲ + المبرد۔ جزء الثانی ص ۸۸ + ۹۳ھ خطط ج ۱۔ ص ۹۴ + الکندی ص ۶۵۔

ذمیوں سے جو مسلمان ہو گئے تھے، جزیہ (خراج) وصول کیا جائے تو عبد العزیز نے اُس کی مخالفت کی تھی۔ گو ہمیں علم نہیں کہ یہ تبدیلی کس سنہ میں ہوئی تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ قرۃ بن شریک نے عبد الملک کی پرانی خواہش پوری کر دی تھی، اور ایسے ذمیوں پر جزیہ عائد کر دیا تھا۔ کیونکہ ۱۰۰ھ میں عمر بن عبد العزیز نے اپنے صاحب الخراج حیّان بن شُریح کو حکم دیا تھا کہ ان ذمیوں پر سے جو مسلمان ہو گئے ہوں جزیہ اٹھا لے[۹۴]۔ مگر آپ کا حکم بے اثر رہا۔

قرۃ بن شریک کے زمانے کی ایک اور اہم تبدیلی کا پتہ ایک پُرانے قرطاس سے چلتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی عہد میں پہلی مرتبہ محاصل عائد کرنے میں شمسی اور قمری سال کا فرق کیا گیا تھا[۹۵]۔ قرۃ کا ایک اور بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ان اراضی کو جو اب تک ناقابل زراعت سمجھی جاتی تھیں زراعت کے قابل بنایا (احیاء الموات)۔ برکۃ الحبش کو جسے بعد میں "اصطبل قرۃ" کہنے لگے تھے، اس نے قابل زراعت بنایا، اور جہاں تک ہمیں علم ہے اُسی نے مصر میں پہلی مرتبہ نے شکر کاشت کی[۹۶]۔ اور اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ پُرانے قرطاسوں میں پہلی مرتبہ اس وقت نے شکر کا ذکر آتا ہے[۹۷]۔ احیاء الموات کا یہ واقعہ معمولی نہیں تھا۔ کیوں کہ اسلامی قانون کے مطابق ایسی زمینوں کو جو شخص "زندہ" کرے وہی اُس کا مالک قرار پاتا ہے۔ اب اگر مسلمان ان زمینوں کو قابل زراعت بنالیں تو وہ صرف عشر ادا کرینگے

---

۹۴ خطط ج ۱۔ ص ۷۷، ۷۸ + خطط (ص ۷۷) میں ہے "وضع عمر بن عبد العزیز الجزیۃ علی من اسلم من اهل الذمۃ" علی کی جگہ عن پڑھنا چاہیئے۔ ص ۷۸ سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے۔

۹۵ بیکر ص ۱۰۰ + دیکھو خطط ج ۱۔ ص ۹۸ +

۹۶ خطط ج ۱۔ ص ۳۰۲ + ج ۲۔ ص ۱۵۲ + ابن تغری بردی ج ۱ ص ۲۴۴ + ابن عبد الحکم ص ۱۲۶ + الکندی ص ۶۵ +

۹۷ بیکر ص ۱۰۱ ۔ منقول از کارابکک +

اور خراج سے بری رہیں گے۔ حالانکہ باقی ماندہ جائدادیں جو خرید و فروخت کے ذریعے مسلمانوں کے قبضے میں آئی تھیں، وہ بستی کے مجموعی محاصل میں شریک تھیں۔ ان محاصل سے آزاد رہنے کا بہترین طریقہ "احیاء الموات" تھا۔ اس کے علاوہ اس ذریعے سے خالص عرب نو آبادیاں قائم ہو سکتی تھیں۔

سنہ ۹۲ھ میں خلیفہ ولید کے حکم سے قرۃ بن شریک نے جامع مسجد میں اضافہ کیا۔ شعبان سنہ ۹۲ھ میں اس کا کام آغاز ہوا، اور سنہ ۹۳ھ میں نئی تعمیر مکمل ہو گئی۔ قرۃ نے جامع مسجد میں منبر (المنبر الجدید) نصب کرایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے بعد یہ قدیم ترین منبر تھا۔[۹۸]

یہ امر کہ قرۃ بن شریک مصر میں غیر ہر دل عزیز تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۹۱ھ میں جب وہ اسکندریہ گیا ہے تو وہاں اس کے قتل کی سازش کی گئی تھی۔[۹۹] قابل غور امر یہ ہے کہ اس سازش میں مہاجر بن ابی المثنیٰ التجیبی اور ابن ابی ارطاۃ التجیبی شریک تھے، یعنی اس قبیلے کے ارکان جو کسی زمانے میں عربی مصر کا سب سے بڑا آبشت و پناہ سمجھا جاتا تھا۔ لیکن کیا یہ سازش اسکندریہ کے مخصوص حالات سے تعلق رکھتی تھی، یا مصر کا پورا ملک قرۃ بن شریک سے ناراض تھا؟ تفصیلات سے ہم بے خبر ہیں۔

سنہ ۹۶ھ میں قرۃ بن شریک نے ولایت مصر کے دوران میں وفات پائی۔

(۷)

اب تک مصر میں صرف ایک مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ نظم و نسق کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ سنہ ۳۵ھ میں عبداللہ بن سعد بن ابی سرح حضرت عثمانؓ سے ملنے گئے تو انھوں نے علی الصلاۃ اور

---

۹۸ الکندی ص ۶۵ + منبر کی مفصل تاریخ ہم نے اپنے مضمون "منبر و عصا" میں بیان کی ہے۔ اس سے قرۃ کے اس منبر کی پوری تفصیل معلوم ہو گی۔ دیکھو اورنٹیل کالج میگزین۔ لاہور۔ ماہ اگست سنہ ۱۹۳۹ء +

۹۹ الکندی ص ۶۴ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۴۲۔

علی الخراج دو آدمیوں کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔[۱۰۰] لیکن یہ انتظام عارضی تھا، اور مرکزی حکومت سے کوئی منظوری نہیں لی گئی تھی، بلکہ اندرونی طور پر حاکم مصر نے یہ انتظام کر لیا تھا۔ لیکن قرۃ بن شریک کے بعد نظم و نسق کی تقسیم مستقل ہو گئی، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت ہی مہتم بالشان تبدیلی تھی، کیونکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک عرب ملکی انتظامات کے علاوہ مالی معاملات بالکلیہ اپنے ہاتھ میں لے چکے تھے، اور قبطیوں کا اجارہ بالکل ختم ہو گیا تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس سے قبل مصر میں صاحب الخراج نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کا تقرر خود حاکم کرتا تھا اور وہ حاکم ہی کو جواب دہ تھے نہ کہ خلیفہ کو۔ چنانچہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ عبد العزیز بن مروان کے زمانے میں عبد الرحمٰن بن حُجَیرۃ یہ فرائض ادا کرتے تھے۔ اب فرق یہ پڑا ہے کہ یہ دونوں عہدہ دار مستقل ہیں، ان کے اختیارات اور فرائض کی حدبندی کر دی گئی ہے، اور دونوں براہ راست خلیفہ کو جواب دہ ہیں۔

ولید کی وفات پر خلیفہ سلیمان نے عبد الملک بن رفاعہ کو سنہ ۹۶ھ میں مصر کا والی مقرر کیا، مگر صرف علی الصلاۃ۔[۱۰۱] وہ سنہ ۹۹ھ یعنی سلیمان کی وفات تک وہاں رہا، اور اس کے ساتھ اُسامہ بن زید التنوخی مصر کا صاحب الخراج مقرر ہوا۔[۱۰۲] اسامہ بن زید موالئی امیر معاویہ میں سے تھا، دمشق کا رہنے والا تھا، اور "کان کاتباً نبیلاً"۔ شہزادگی کے زمانے میں یزید بن عبد الملک کا کاتب تھا۔[۱۰۳] اس طرح وہ دار الخلافہ کے تجربہ کار افسروں میں سے تھا۔ وہ مصر کا صرف صاحب الخراج مقرر ہوا تھا، مگر اس کی شخصیت کا اثر اتنا تھا کہ طبری اور ابن الاثیر

---

[۱۰۰] ابن تغری بردی ج ۱۔ص ۱۰۳ +

[۱۰۱] الکندی ص ۶۶ + المنوفی ص ۹۹ +

[۱۰۲] خطط ج ۱۔ص ۵۸ +

[۱۰۳] جہشیاری ورق ۲۴ (الف)، ۲۶ (الف)

دونوں اُسے حاکم مصر لکھتے ہیں[۱۰۴]۔ اس کے علاوہ قرۃ بن شریک کے بعد شیشے کی بنی ہوئی سرکاری مہروں پر بھی، بجائے حاکم مصر کے اُسامہ بن زید ہی کا نام پایا جاتا ہے[۱۰۵]۔

لیکن باوجود اس شخصی اہمیت کے اُسامہ کی اصلاحات کے متعلق تفصیلات اس قدر کم ہیں کہ ان اصلاحات کا پورا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اتنا بیان کیا گیا ہے کہ حلوان میں عبدالعزیز بن مروان نے جو مقیاس تیار کرایا تھا وہ صغیر الذراع ہونے کی وجہ سے بے کار سمجھ گیا اور خلیفہ سلیمان کے حکم سے اسامہ نے ۹۷ھ میں ایک نیا مقیاس جزیرہ میں تعمیر کرایا۔ اسی کو بعد میں مقیاس القدیم کہنے لگے[۱۰۶]۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ مقیاس خلیفہ ولید کے زمانے میں تعمیر ہوا تھا[۱۰۷]۔ اُسامہ کا ایک اور کام بیت المال کی تعمیر ہے[۱۰۸]۔ ان دونوں باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے زراعت کو ترقی دینے پر خاص توجہ کی تھی، اور غالباً اُس نے مالیات کی بھی نئی تنظیم کی تھی۔

مقریزی[۱۰۹] نے لکھا ہے خلیفہ سلیمان کے زمانے میں اُسامہ بن زید نے مصر سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار بطور محاصل وصول کئے تھے۔ یہ یقینی امر ہے کہ خلیفہ ولید کے تعمیری کاموں اور خلیفہ سلیمان کی عیش پرستیوں کی وجہ سے بے انتہا رقم کی ضرورت پڑی ہوگی، اور ان کی پابجائی محاصل ہی کے ذریعے سے ہوئی ہوگی۔ اس لئے لامحالہ محاصل وصول کرنے میں

---

۱۰۴ طبری (مطبوعہ یورپ) ج ۲ ـ ص ۱۴۳۶ ـ حوادث سنہ ۱۰۲ + ابن الاثیر ج ۵ ص ۴۹ ـ حوادث سنہ ۱۰۲

۱۰۵ بیکر ص ۱۰۲ +

۱۰۶ خطط ج ۱ ـ ص ۵۸ +

۱۰۷ ابن تغری بردی ج ۱ ـ ص ۲۴۷ + ابن عبد الحکم ص ۱۶

۱۰۸ خطط ج ۱ ـ ص ۵۸ + ابن تغری بردی ج ۱ ـ ص ۸۰، ۲۴۷ +

۱۰۹ خطط ج ۱ ـ ص ۹۹ +

پہلے سے زیادہ سختی روا رکھی گئی ہو گی۔ ایک طرف تو محاصل میں سختی برتی گئی ہو گی اور دوسری طرف مصر میں عربوں کے توطن پذیری سے نئے نئے معاشی مسائل پیدا ہوئے۔ لہذا عیسائیوں میں بے چینی برابر بڑھتی چلی گئی۔ پوری تفصیلات یہاں بھی مفقود ہیں۔ لیکن غالباً یہی مخصوص حالات تھے جن سے مجبور ہو کر اُسامہ نے عیسائیوں کی طرف توجہ کی، اور اس نئی بے چینی کو، قبل اس کے کہ وہ خطرناک شکل اختیار کرے، دبا دینے کی کوشش کی۔ عبد العزیز بن مروان کے زمانے میں راہبوں پر فی کس ایک دینار محصول لگایا گیا تھا۔ مگر راہبوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ کیونکہ بقیہ محاصل سے بچنے اور ان کا تمام بوجھ غریب رعایا پر ڈال دینے کا آسان طریقہ یہی تھا کہ مذہبی لباس اختیار کر لیا جائے۔ چونکہ ان کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی اس لئے ضروری تھا کہ نگرانی میں سختی کی جائے۔ اس خیال سے کہ ان میں سے کوئی شخص فی کس محصول سے بچ کر نہ نکل جائے، اُسامہ نے لوہے کے حلقوں سے اُن کے ہاتھوں پر نشان لگوائے، جن میں راہب اور اس کے دیر کا نام اور تاریخ مندرج تھی، اور جس راہب کے ہاتھ پر نشان نہیں پایا جاتا تھا، اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا۔ اُسامہ نے عمال کو حکم دیا کہ جب کوئی عیسائی ایسا ملے جس کے پاس اجازت نامہ (منشور) نہ ہو تو اس پر دس دینار جرمانہ کیا جائے۔ اس حکم کے بعد اُس نے اچانک دیروں پر دھاوا کیا، اور جتنے راہب ایسے ملے جن کے ہاتھوں پر نشان نہ تھے، ان میں بعض کو قتل کرایا، اور بعضوں کو اتنا مارا کہ وہ مر گئے[١١٠]۔ جہاں تک ہمیں علم ہے عیسائیوں کے خلاف یہ پہلا ردِ عمل تھا، ورنہ اب تک بہیئت مجموعی دونوں قوموں کے تعلقات خراب نہ تھے، گو امیر معاویہ کے حاکم مصر مسلمہ بن مخلد[١١١] کے خلاف عربوں کی شورش اس وجہ سے ہوئی تھی

---

[١١٠] خطط ج ۱۔ ص ۹۹ + ج ۲۔ ص ۴۹۲، ۴۹۳ + خیال رہے کہ یہاں صرف ہاتھوں پر نشان کرنے یا مہر کرنے کا ذکر ہے، نہ کہ انھیں داغ دینے کا جیسا کہ غلطی سے ویوستن فیلڈ نے سمجھ لیا ہے۔ دیکھو اس کی تاریخ قبط (جرمن) ص ۵۵۔

[١١١] الکندی ص ۳۷۔

کہ اُس نے ایک نیا گرجا تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ مگر یہ شورش مسلمہ کے اس عذر پر ختم ہو گئی تھی کہ گرجا عربوں کی آبادی سے دور ہے[۱۱۲]۔ عبد العزیز بن مروان کے زمانے تک نئے گرجا برابر بن رہے تھے[۱۱۳]۔ اب اچانک اس ردعمل کی یہی معنے تھے کہ نئے حالات کی وجہ سے دونوں اہل مذاہب میں پرانے تعلقات یا بے تعلقی باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ مگر یہ خیال رہے کہ اس تمام عمل میں مذہب کو کوئی دخل نہیں، بلکہ معاشی اسباب اس کے حقیقی بنا تھے۔ یہاں ہمیں پھر رومی عہد کے فی کس محصول (جزیہ) سے سابقہ پڑتا ہے، کیونکہ ہمیں اس کی اطلاع نہیں کہ راہبوں پر یہ محصول لگانے کے بعد عام رعایا کا وہ محصول معاف کر دیا گیا تھا جو وہ راہبوں کی طرف سے ادا کرتے تھے۔ راہب فی کس محصول، جسے عرف عام میں جزیہ کہتے ہیں، ادا کرتے ہیں، اور عام رعایا کا خراج بدستور سابق باقی ہے۔

ابن تغری بردی[۱۱۴] بیان کیا ہے کہ سلیمان بن عبد الملک نے اُسامہ بن زید کو لکھا تھا کہ:

"اطب الدر حتی ینقطع و احلب الدم حتی ینصرم" (دودھ دوہو تا آنکہ تمام دودھ نکل آئے، اور پھر خون دوہو تا آنکہ وہ بھی ختم ہو جائے)۔

ابن تغری بردی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اُسامہ بن زید کی تمام سختیاں اسی حکم کی بنا پر تھیں۔ بیکر بھی اسے خلیفہ کا حکم سمجھتا ہے، اور لکھتا ہے کہ تعریف کے قابل بات یہ ہے کہ اُسامہ نے اس حکم کی حرف بہ حرف تعمیل نہیں کی۔ لیکن جو تفصیل جہشیاری نے بیان کی ہے اُس سے اصل صورت حال معلوم ہو جاتی ہے، گو سلیمان نے یہ الفاظ ضرور کہے تھے، مگر یہ اُس کا حکم نہیں تھا، اور اسی لئے اُسامہ کے نظم و نسق پر اُس کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ بہتر ہے کہ با وجود طوالت کے

---

۱۱۲ ابن عبدالحکم ص ۱۳۲ + ۱۱۳ بیکر۔ ص ۱۰۴ +

۱۱۴ النجوم الزاہرہ۔ ج ۱۔ ص ۲۵۷ +

جہشیاری[120] کی عبارت یہاں نقل کر دی جائے:-

فبلغہ ان عمر بن عبد العزیز یعرضہ و یغمض علیہ فی سیرتہ فقدم اسامہ بن زید علی سلیمان بمال اجتمع عندہ ووافقہ علی ما احتاج الیہ وعمل علی الرجوع الی عملہ و توخی وقتاً یکون فیہ عمر عند سلیمان فلما بلغہ حضورہ مجلسہ استاذن علیہ فلما وصل الیہ قال لہ: انی ما جئتک حتی نہکت الرعیۃ و جہدت، فان رائت ان ترفق بہا و ترفہ علیہا وتخفف من خراجہا ما تقوی بہ عمارۃ بلادھا وصلاح معاشہا فافعل، فانہ یستدرک ذلک فی العام المقبل۔ فقال لہ سلیمان: ھبلتک امک۔ احلب الدر فاذا انقطع احلب الدم نجا۔ فخرج اسامہ بن زید فوقف لعمر بن عبد العزیز حتی خرج

اُسامہ کو معلوم ہوا کہ عمر بن عبدالعزیز اُس کی کاٹ میں لگے رہتے ہیں اور اس کی شکایت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ اُسامہ مال لے کر جو اُس کے پاس جمع ہو گیا تھا، سلیمان کے پاس آیا، اُسے اپنی ضرورتوں سے آگاہ کیا اور اپنے عمل کو واپس ہونے کی تیاری کرنے لگا۔ وہ ایسے وقت کے انتظار میں رہا جب عمر خلیفہ کے پاس ہوں۔ اُسے معلوم ہوا کہ عمر خلیفہ کے پاس ہیں اُس نے بھی حاضر ہونے کی اجازت چاہی۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر کہا کہ "اے امیر المومنین میں آپ کے پاس اُس وقت تک نہیں آیا جب تک کہ رعایا سختی میں مبتلا نہیں ہوئی۔ اگر اجازت ہو تو ان سے نرمی برتی جائے اور مہربانی کی جائے اور ان کا خراج کم کر دیا جائے تاکہ ملک کی آبادی کا باعث ہو اور معاش کی بہتری ہو، تو میں ایسا کروں کہ آئندہ سال اس پر عمل ہو سکے۔ سلیمان نے جواب دیا کہ خدا تیری ماں کا بیٹا دنیا سے اٹھالے۔ دودھ دوہو اور جب وہ ختم ہو جائے تو خون دوہو تا آنکہ

---

[120] کتاب الوزراء والکتاب۔ ورق ۲۴ (الف)۔۲۴ (ب)۔ اس کے علاوہ دیکھو ورق ۲۶ (الف)۔ ورق ۲۶ (ب) جس سے معلوم ہوگا کہ دار الخلافے میں اُسامہ کے متعلق عام خیال کیا گیا۔

فركب۔ ثم سارمعه وقال له انه بلغني يا باحفص انك تلومني وتذمني وقد سمعتَ اليوم ما كان مقالتي لابن عمك و ما ردعلىَّ فعرفت عذري فقال عمر: سمعت و الله كلاماً جل لا يغني عنك شيئاً +

وہ بھی ختم ہو جائے۔ اُسامہ باہر آیا اور عمر کے انتظار میں رہا۔ وہ بھی باہر آئے اور سوار ہو گئے۔ اب اُسامہ اُن کے ساتھ ہوا، اور ان سے کہا کہ اے ابا حفص تم مجھے قابل ملامت سمجھتے ہو اور بُرا کہتے ہو۔ آج تم نے سنا کہ میں نے تمہارے ابن عم سے کیا گفتگو کی اور اس نے کیا جواب دیا؟ اب تو تمہیں میری مجبوری معلوم ہو گئی ہو گی۔ عمر نے جواب دیا "ہاں میں نے ایسے شخص کا کلام سنا جس سے کوئی چیز بعید نہیں"۔

ان الفاظ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ سلیمان مصر کے خراج میں کوئی کمی کرنا نہیں چاہتا تھا ورنہ اُس نے اُسامہ کو بے جا سختی کرنے کا حکم نہیں دیا تھا۔

اُسامہ سے عمر بن عبد العزیز کی ناراضگی کا حال معلوم ہو گیا۔ مگر سلیمان کو اُسامہ پر اتنا ہی بھروسہ تھا جتنا کہ ولید کو قرۃ بن شریک پر۔ ایک مرتبہ ان کی موجودگی میں سلیمان نے اُسامہ کی تعریف کی کہ "اُسامہ بھی کیا آدمی ہے کہ ایک درہم یا دینار رشوت نہیں لیتا"۔ عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا کہ "میں تجھے ایک اور نام بتاؤں کہ ایک درہم یا دینار رشوت نہیں لیتا اور اُسامہ سے بدتر ہے؟" سلیمان نے پوچھا "وہ کون"؟ عمر نے جواب دیا "ابلیس!" اس پر سلیمان خفا ہو کر مجلس سے اُٹھ گیا[۱۳۱]۔ ۹۹ھ میں سلیمان کی وفات کے وقت اُسامہ بدستور مصر کا صاحب الخراج تھا۔ لیکن عمر بن عبد العزیز کی ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے سلیمان کے دفن ہونے سے قبل اُس کی قبر کے قریب بیٹھ کر اُسامہ کی معزولی کا حکم لکھا اور لوگوں نے جب اس پر کراہیت کا اظہار کیا تو کہا:

---

[۱۳۱] ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۵۸ +

"انی، واللہ، خفت عز و جل واستحییتہ
ان افرھما یحکمان فی امور الناس طرفۃ عین
وقد ولیت امورھم۔"[۱۲۲]

(۸)

خلیفہ ہوتے ہی عمر بن عبد العزیز نے مالیات کے مسئلہ پر غور کیا۔ انھوں نے جو اس ضمن میں کیا وہ والہاسن[۱۲۳] کے مطابق اہم بھی تھا، اور دیرپا بھی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ مالیات میں جو ابتری واقع ہو رہی ہے اُسے روک دیں، اور اُن کا خیال تھا کہ اس ابتری کی بڑی وجہ یہ تھی کہ تنظیم اراضی میں خرابی واقع ہو رہی تھی۔ اس لئے انھوں نے دو کام کئے، اول تو انھوں نے وہ تمام قطائع جو ان کے پیشرو اپنے اہل خاندان کو دے گئے تھے، واپس لے کر عامۃ المسلمین کو دے دئے، اور اس کے علاوہ حکم دیا کہ سنہ ۱۰۰ھ کے بعد مسلمان زمینیں نہ خریدیں۔ انھوں نے مصر کے عمال کو فوراً تبدیل کیا۔ عبد الملک بن رفاعہ کی جگہ ایوب بن شرحبیل بن اکسوم علی الصلاۃ اور اُسامہ بن زید کی جگہ حیّان بن شُریح صاحب الخراج مقرر کیا گیا۔ نظم ونسق پہلے کی طرح اب بھی دو حصوں میں منقسم رہا۔

ابن عبد الحکم[۱۲۴] نے بیان کیا ہے کہ حیان بن شریح نے تجویز کی تھی کہ جو قبطی مر گئے ہیں ان کا جزیہ زندہ قبطیوں پر لگایا جائے۔ خلیفہ نے عراک بن مالک سے مشورہ کیا، اور عراک نے یقین دلایا کہ

"ان کا اور ہمارا کوئی عہد نہیں اور وہ بمنزلۂ غلام کے ہیں"۔

---

۱۲۲ جہشیاری ورق ۲۴ (ب)۔ اُسامہ بن زید اور یزید بن ابی مسلم کاتب حجاج دونوں کی معزولی کا حکم بوقت واحد دیا گیا تھا۔

۱۲۳ انگریزی ترجمہ ص ۲۶۷۔ الخ۔ اس مصنف نے عمر بن عبد العزیز کی مالی حکمت عملی پر مفصل بحث کی ہے۔

۱۲۴ فتوح مصر و اخبارہا، ص ۸۹۔ اس کتاب میں حیان بن سُریح ہے۔ اسکے علاوہ دیکھو ص ۱۵۴ + خطط ج ۱، ص ۷۷ +

اس پر حیان کی تجویز منظور کر لی گئی۔ ایک اور روایت اسی کتاب[۱۲۵] میں یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے خود ہی حیان بن شریح کو لکھا تھا کہ

"مصر بزور شمشیر فتح ہوا ہے، اور اہل مصر کے ساتھ ہمارا کوئی عقد یا عہد نہیں ہے۔

پھر لیث بن سعد نے عمر بن عبد العزیز سے روایت کی ہے کہ

"جزیہ سروں پر لگایا جاتا ہے، زمینوں (جائداد غیر منقولہ) پر نہیں لگایا جاتا۔ اس سے ان کی مراد اہل الذمہ ہیں[۱۲۶]۔"

اس کے علاوہ لیث بن سعد سے ایک دوسری روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے ان ذمیوں پر جو اسلام لے آئے تھے، جزیہ اٹھا لیا تھا، اور ان نو مسلموں کو اُن عرب عشائر کے ساتھ دیوان میں ملحق کر دیا تھا، جن کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، حالانکہ اس کے قبل ذمی مسلمانوں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا[۱۲۷]۔ لیث بن سعد نے حیّان بن شریح کے نام خلیفہ کا ایک خط بھی نقل کیا ہے[۱۲۸]۔ ان روایات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ عمر بن عبد العزیز کے نزدیک مصر بزور شمشیر فتح ہوا تھا، اور جزیہ قریوں پر لگایا گیا تھا۔ اہل قریہ میں سے جو مر جائے، اُس کا جزیہ بہر حال قائم رہتا تھا، اور کسی صورت میں قابل معافی نہیں تھا[۱۲۹]۔ معلوم ہوتا ہے کہ

---

۱۲۵ ابن عبد الحکم ص ۹۰ +

۱۲۶ خطط ج ۱۔ص ۷۷ + ابن عبد الحکم ص ۱۵۴ +

۱۲۷ ابن عبد الحکم ص ۱۵۶ + خطط ج ۱۔ص ۷۷ + ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ "علی من اسلم" کی جگہ عن من اسلم پڑھنا چاہیے۔ دیکھو خطط ج ۱۔ص ۷۸ +

۱۲۸ خطط ج ۱۔ص ۷۸ + ابن عبد الحکم ص ۱۵۶ +

۱۲۹ خطط ج ۱۔ص ۷۷ +

حیّان بن شریح نے ان احکام کے خلاف بہت جدوجہد کی تھی کیونکہ بیزانیہ میں توازن قائم رکھنا ناممکن تھا۔ اسی موقعہ پر عمر بن عبد العزیز نے فرمایا تھا کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دین پھیلانے آئے تھے،
محصول جمع کرنے نہیں آئے تھے۔"

ہمارے نزدیک مندرجۂ بالا روایات میں جہاں کہیں جزیہ کا لفظ آیا ہے وہاں اس سے مراد "فی کس محصول" نہیں، بلکہ وہی پرانا خراج (باج) ہے۔ عمر بن عبد العزیز سے قبل نومسلموں پر اس خراج کا جسے جزیہ کہا گیا ہے، بار اتنا ہی تھا جتنا کہ اہل ذمہ پر۔ آپ نے یہ تبدیلی کی کہ نومسلموں پر سے جزیہ اٹھا کر انھیں دیوان میں شریک کرلیا۔ ظاہر ہے کہ اسطرح نومسلم جب جزیہ سے بری کردئے گئے، اور دیوان سے انھیں فریضہ (وظیفہ) ملنے لگا تو محاصل میں کمی ہوئی اور اخراجات میں اضافہ ہوا۔ اس سے میزانیہ میں خلل واقع ہورہا تھا۔ ایک حد تک حیان نے اس کی تلافی اس طرح کی کہ خلیفہ کی اجازت سے مرنے والے قبطیوں کا جزیہ زندہ قبطیوں سے وصول کیا مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بھی میزانیہ میں توازن قائم نہ ہوسکا، اور قبطیوں پر سرکاری محاصل کا بوجھ بڑھ گیا۔ پھر لگان اراضی کی کمی کو روکنے کی ترکیب ان کے خیال میں آئی کہ مسلمانوں کے لئے زمین خرید ناممنوع قرار دیں تاکہ خراجی اراضی عشری اراضی میں تبدیل نہ ہونے پائیں۔ یہ تو وہ محاصل تھے جو اسلام میں قانوناً جائز سمجھے جاتے تھے۔ لیکن ان کے علاوہ رومی عہد کے دوسرے محاصل رفتہ رفتہ دوبارہ زندہ ہورہے تھے[۱۳۰]۔ یہ محاصل مکس (جمع مکوس) کہلاتے تھے۔ عمر بن عبد العزیز ان مکوس کے سخت مخالف تھے۔ ان کا قول تھا کہ یہ مکس نہیں بلکہ بخس ہے۔ جس کے متعلق قرآن شریف میں ہے:۔

"وتبخسوا الناس اشیاء ھم ولا تعثوا فی الارض
مفسدین۔" (سورۂ ہود۔ آیت ۸۶)[۱۳۱]

---

۱۳۰ بیکر ص ۱۰۷+ ۱۳۱ خطط الشام ج ۵۔ ص ۵۹، ۶۰+ لیکن ابن عساکر (تاریخ
(بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ)

لیکن اس کے باوجود وہ انھیں منسوخ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔

محاصل کی اس نئی تنظیم کے علاوہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ۹۹ھ میں ایوب بن شرحبیل کو حکم دیا تھا کہ عطایا میں اضافہ کیا جائے۔ چنانچہ پچیس ہزار دینار حاجت مندوں (غارمین) میں تقسیم کئے گئے۔ انھیں کے حکم سے اضلاع (کُور) میں قبطیوں کے مواریث ضبط کر کے مسلمانوں کے حوالے کئے گئے، شراب کی خرید و فروخت ممنوع قرار دی گئی، شراب خانے بند کر دئے گئے، اور توڑ دئے گئے، اور حماموں میں عورتوں کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا۔[۱۳۲] دو باتیں قابل توجہ ہیں ایک طرف تو ذمی مسلمان ہو گئے ہیں، باوجود غیر عرب ہونے کے، دیوان میں شریک کئے گئے ہیں، اور اس طرح دیوان خالصۃً عربوں کے لئے مخصوص نہیں رہا۔ دوسرے قبطی اپنے پرانے مواریث سے بے دخل ہو رہے ہیں، اور مسلمان ان کی جگہ لے رہے ہیں۔

(۹)

عمر بن عبد العزیز کے جانشین یزید بن عبد الملک نے شروع میں ایوب بن شرحبیل کو ولایت مصر پر بحال رکھا، لیکن چونکہ نیا خلیفہ اپنے پیشرو کی مخالفت پر اڑا ہوا تھا، اس لئے رمضان ۱۰۱ھ میں اُسے معزول کر کے بشر بن صفوان کو مقرر کیا۔[۱۳۳] ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایوب کی موت کے بعد (۷ا رمضان ۱۰۱ھ) بشر بن صفوان کا تقرر ہوا تھا۔[۱۳۴] مگر اصلیت

بقیہ نوٹ:۔ الکبیر ج ۳۔ ص ۱۳۶) کی ایک روایت کے مطابق مکس کا وجود حضرت عمر کے زمانے میں بھی تھا، اور گو لوگ اسے برا سمجھتے تھے، لیکن خود آپ نے اس کے انتظام کے لئے ایک شخص مقرر کیا تھا۔

۱۳۲ خطط ج ا۔ ص ۳۰۲ + الکندی ص ۶۸، ۶۹ + ابن تغری بردی ج ا۔ ص ۲۴۴ + خطط میں بجائے "الناس" کے "النسا" پڑھنا چاہیئے۔

۱۳۳ الکندی ص۔ ۶۹ + ابن تغری بردی ص ۲۶۵ +

۱۳۴ ابن تغری بردی ج ا۔ ص ۲۷۲ +

یہ ہے کہ یہ تبدیلی ایوب کی زندگی میں ہو چکی تھی، اور بشر اس کی موت کے بعد مصر پہنچا تھا۔

مصر کے اہل دیوان کے عطایا میں جو اضافہ عمر بن عبدالعزیز نے کیا تھا، وہ خلیفہ یزید کے حکم کے مطابق منسوخ کیا گیا۔ بشر کی مختصر سی ولایت کا سب سے بڑا واقعہ یہ ہے کہ اس کے زمانے میں چوتھی اور آخری تدوین عمل میں آئی۔ الکندی[۱۳۵] نے اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ بشر نے دیکھا کہ قضاعہ کے لوگ مختلف قبایل میں منتشر ہیں، اس لئے اس نے خلیفہ سے اجازت چاہی کہ انھیں یک جا کر کے ان کا دیوان الگ کر دیا جائے، اور اجازت ملنے پر اس نے مہرہ کو کندہ سے، تنوخ کو ازد سے، آل کعب بن عدی التنوخی کو قریش سے، جہینہ کو اہل الرایہ سے، اور خشین کو لخم سے جدا کیا اور انھیں قضاعہ سے ملحق کر کے ان کا دیوان الگ کر دیا۔ اس کے بعد بنو امیہ کے عہد میں صرف ایک مرتبہ ۱۰۹ھ میں ایک تبدیلی ہوئی، جس کا ذکر آگے آئے گا۔ بنو عباس نے خلافت پر تسلط حاصل کر کے دوسری تبدیلیاں کیں[۱۳۶]۔

بشر بن صفوان کا عہد حکومت بہت ہی مختصر رہا۔ ۱۰۲ھ میں اُسے حکومت افریقہ پر منتقل کر کے اُس کے بھائی حنظلہ کو مصر میں اس کا جانشین بنایا گیا۔ اس کے زمانے میں ۱۰۲ھ یا ۱۰۴ھ میں خلیفہ یزید کے حکم سے مصر میں بت توڑے گئے، اور تصویریں مٹائی گئی ہیں[۱۳۷]۔

لیکن اب خلیفہ یزید نے ایسے شخص کو مصر کا صاحب الخراج مقرر کیا کہ والیان مصر کے بجائے ہماری تمام تر توجہ اسی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ یہ شخص عبید اللہ بن الحبحاب مولائے بنی سلول[۱۳۸] تھا،

---

۱۳۵ کتاب الولاۃ والقضاۃ۔ ص ۷۰، ۷۱ +

۱۳۶ الکندی ص ۷۰، ۷۱ + خطط ج ۱۔ ص ۹۴ +

۱۳۷ ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۷۸ + الکندی ص ۷۱ +

۱۳۸ خطط ج ۱۔ ص ۲۶۱ +

جس کا نام عبد اللہ بن الحبحاب بھی لکھا جاتا ہے۔ اس کی تاریخ تقرر کے متعلق بیکر کو بہت شبہ ہے، اور آخر اُس نے ابن تغری بردی[139] کی پیروی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ ۱۰۴ھ میں مصر کا صاحب الخراج مقرر ہوا تھا۔ اس کے برعکس گروہمان، بعد تحقیق، اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ خنظلہ بن صفوان (۱۰۲ھ سے ۱۰۵ھ) سے قبل ہی وہ صاحب الخراج مقرر ہو چکا تھا کیونکہ حیّان بن شریح کے بعد پتہ نہیں چلتا کہ ۱۰۴ھ تک مصر کا صاحب الخراج کون رہا تھا، غالباً یہی وہ زمانہ ہے جب ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں عبید اللہ بن الحبحاب کا تقرر ہوا ہے[140]۔ عبید اللہ (۱۰۲ھ-۱۱۴ھ یا گروہمان کے فیصلے کے مطابق تقریباً ۱۱۶ھ) حسب ذیل والیوں کے زمانے میں صاحب الخراج رہا: خنظلہ بن صفوان۔ (۲) محمد بن عبد الملک بن مروان (۱۱ شوال ۱۰۵ھ سے ذی القعدہ ۱۰۵ھ)۔ (۳) الحر بن یوسف (۳ ذی الحجہ ۱۰۵ھ سے ذی القعدہ ۱۰۸ھ)، (۴) حفص بن الولید (دو ہفتہ تا ختم ذی الحجہ ۱۰۸ھ)، (۵) عبد الملک بن رفاعہ (از یکم تا ۱۵ محرم یا ۲ صفر ۱۰۹ھ)، (۶) ولید بن رفاعہ (۱۵ محرم یا ۲ صفر ۱۰۹ھ سے یکم جمادی الثانی ۱۱۷ھ)۔ اس حاکم کے زمانے میں عبید اللہ افریقہ کا حاکم مقرر ہوا[141]۔ صرف یہی نہیں کہ عبید اللہ کی مدت ملازمت غیر معمولی طور پر طویل ہے، بلکہ مصر کے معاملات پر اُسے اتنا عبور حاصل تھا کہ اور اس کی گرفت اتنی قوی تھی کہ دو حاکم علی الصلاۃ اس کی شکایت پر معزول کئے گئے اور اپنی جگہ پر قائم رہا۔ حُر بن یوسف نے اُس سے جھگڑا مول لیا، اور اس کی شکایت پر معزول ہوا۔ حفص بن الولید صرف دو ہفتہ مصر میں رہ سکا، اور پھر اُسی کی وجہ سے معزول کیا گیا۔ حالانکہ حفص کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ اس کا شمار بنو امیہ کے اکابر میں ہوتا تھا،

---

[139] النجوم الزاہرہ۔ ج ۱۔ ص ۲۸۷ + بیکر ص ۱۰۷ +

[140] گروہمان ص ۹۴ + اس کتاب میں دیگر والیان مصر کے متعلق بھی مفید معلومات دستیاب ہوتی ہیں۔

[141] گروہمان ص ۹۴ + ابن تغری بردی (ج ۱۔ ص ۳۰۴) نے ۱۱۶ھ میں لکھا ہے۔

اور وہ بہت معزز سمجھا جاتا تھا: "وکان شریفاً، مطاعاً، محبباً للناس، ولدیہ معرفۃ وفضیلۃ۔"[۱۴۲] عبید اللہ ہی کے کہنے سے عبد الملک بن رفاعہ کا تقرر ہوا تھا، اور آخر ولید بن رفاعہ (۱۰۹ھ سے ۱۱۷ھ) نے عبید اللہ کی مخالفت کی، اور اس میں کامیاب ہوا کہ اُسے خلیفہ ہشام نے ۱۱۶ھ میں افریقہ کا حاکم مقرر کر دیا۔[۱۴۳]

تاریخی روایات میں عبید اللہ بن الحبحاب کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی ظالم و جابر شخص تھا۔ لیکن اگر مصر کے حالات پر غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اُس نے مصر کی فلاح و بہبود کے لئے کیا کام کیا تھا، تو بیکر کی رائے کے مطابق یہ شخص نہایت دانا و فرزانہ معلوم ہوتا ہے۔ جو حاکم اُس کی شکایت پر معزول کئے گئے وہ اس کے ممد و معاون ہونے کے بجائے اُس کے راستے میں رکاوٹیں پیدا کرتے تھے۔ ولید بن رفاعہ اور عبید اللہ بن الحبحاب کے ذاتی تعلقات خواہ کیسے ہی ہوں لیکن انھیں دونوں کے تعاون سے مصر کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ اس کا آغاز مردم شماری سے کیا گیا۔ یاد ہوگا کہ فتح مصر کے بعد مسلمانوں نے پرانی مردم شماری ہی سے کام لیا تھا۔ اسلامی دور میں پہلی مرتبہ اب مردم شماری کی گئی تھی۔ اس سے قبل ہی ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں حُر بن یوسف کے عہد ولایت میں عبید اللہ بن الحبحاب ابتدائی نقشے تیار کر رہا تھا۔ مگر نظم و نسق کی زبردست اصلاح کا کام ولید بن رفاعہ کے زمانے کی مردم شماری سے مکمل ہوا۔ مالیات میں تبدیلی کی ابتدا ۱۰۷ھ سے قبل ہوئی۔ الکندی[۱۴۴] لکھتا ہے کہ حُر بن یوسف کے

---

[۱۴۲] الکندی ص ۷۴، ۷۵ + خطط ج ۱۔ ص ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۹۳ +

[۱۴۳] ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۲۹۶ + ابن العذاری ج ۱۔ ص ۳۸ +

[۱۴۴] کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۷۳، ۷۴ + خطط ج ۱۔ ص ۷۹ + ج ۲۔ ص ۲۶۱، ۲۹۴ + مقامات کے نام بہت کچھ بگڑ گئے ہیں

زمانہ میں مصر کے صاحب الخراج عبید اللہ بن الحبحاب نے خلیفہ ہشام کو لکھا کہ سرزمین مصر خراج میں اضافہ برداشت کر سکتی ہے۔ چنانچہ اُس نے فی دینار ایک قیراط (یعنی ۱/۲۴) اضافہ کیا۔ اس تبدیلی کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ تنو دیمی، قربیط اور حوف الشرقی میں اُس کے خلاف شورش ہوئی۔ حر بن یوسف نے ان شورشیوں سے لڑنے کے لئے اہل دیوان کو بھیجا، لڑائی میں شورشیوں کی بڑی تعداد قتل ہوئی۔ مگر حالات اس قدر تشویش ناک تھے کہ حُر بن یوسف تین مہینے تک دمیاط میں جنگ کے لئے مستعد رہا۔ مصر میں عربوں کے خلاف قبطیوں کی یہ پہلی بغاوت تھی۔

اب مقریزی[۱۴۵] کی زبانی خراج مصر کے حالات سنئے۔ عمرو بن العاص اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے بعد مصر کا خراج فساد کے بڑھ جانے، اکثر اراضی کی تباہی اور جنگوں کی وجہ سے برابر گھٹتا گیا، اور بنو امیہ اور بنو عباس کے خلفا تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ کر سکے، سوائے ہشام کے، جس نے عبید اللہ کو حکم دیا تھا کہ مصر کو آباد کرنے پر توجہ کرے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ خراج مصر میں کمی کے بعد صرف دو مرتبہ زیادتی ہوئی۔ پہلے عبید اللہ کے زمانے میں، اور ہم نے دیکھا کہ اُس نے کیا طرز عمل اختیار کیا تھا، اور پھر اس وقت جب احمد بن طولون نے احمد بن المدبر سے مصر کی مالیات کا جائزہ لیا۔ لیکن ابن الحبحاب نے جو اضافہ کیا تھا وہ بے سوچے سمجھے اور بلا تحقیق نہیں تھا۔ مقریزی[۱۴۶] لکھتا ہے کہ اُس نے ذاتی طور پر تمام ملک کا دورہ کیا اور غیر آباد زمینوں کی، جہاں تک وہ دریائے نیل سے سیراب ہوتی تھیں، پیمائش کی۔ اُس نے دیکھا کہ تین کروڑ فدان (ایکڑ) زمین اُن زمینوں کے علاوہ تھی جو طغیانی کی سرحد سے بلند تھیں، اور یہ وہ زمینیں تھیں جو خس و خاشاک[۱۴۷] (وسخ) سے پر ہو کر

---

[۱۴۵] خطط ج ۱۔ص ۹۸، ۹۹ +

[۱۴۶] خطط ج ۱۔ص ۷۵، ۹۹، ۱۰۰ +

[۱۴۷] خطط ج ۱۔ص ۱۰۰ + ابن مماتی ص ۲۹ +

ناقابل زراعت ہوگئی تھیں۔ اس نے ان سب کی فہرست تیار کی، اور انتہائی عدل کے ساتھ انھیں دوبارہ تقسیم کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس نے چالیس لاکھ دینار خراج وصول کیا، حالانکہ غلہ سستا تھا، اور ملک میں کوئی اور محصول (ٹکس) یا چونگی (ضریبہ) بھی نہ تھا۔ اوائل خلافت میں ہشام نے ۱۰۵ھ میں عبید اللہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ان موجودہ طبقات کی تنقیح کرے جو مصر کے دواوین سے متعلق تھے۔ اُس نے یہ کام اس خوبی سے انجام دیا کہ اس کے تنقیح کردہ دواوین بنوامیہ کے بعد بھی مستند سمجھے جاتے رہے۔ ان کی مجموعی تعداد سترہ لاکھ آٹھ سو سینتیس دینار تھی۔ ان میں سے دس لاکھ چار سو بیس اور نصف دینار مصر صعید کے تھے، اور باقی مصر اسفل کے۔ چند سطر آگے چل کر مقریزی (خطط ج ۱ ص ۹۹) لکھتا ہے کہ ابن خرداذبہ[۱۴۸] نے لکھا ہے کہ عبید اللہ نے ستائیس لاکھ تیئیس[۲۳] ہزار آٹھ سو انتالیس دینار وصول کئے تھے۔ یہاں ابن خرداذ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ کیونکہ درحقیقت یہ وہ رقم تھی جو اہل مصر کے عطیات اور دیگر اخراجات کے بعد دمشق کے مرکزی خزانے کو روانہ کی گئی تھی۔

مختلف رقوم سے قطع نظر، کیونکہ مورخ ان کے متعلق متفق نہیں، ان روایات سے ابن الحبحاب کے کاموں پر خاص روشنی پڑتی ہے، اور اندازہ ہوتا ہے کہ فرائض کی ادائی میں وہ کتنا جفاکش تھا۔ ایسا شخص استحصال بالجبر کرنے والا، یا خون چوسنے والا نہیں ہوسکتا، جیسا کہ روایات میں اُسے ظاہر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مورخ بھی اس کی میانہ روی کی داد دیتے ہیں۔ ایک قیراط فی دینار کے متعلق صراحت نہیں کی گئی کہ یہ اضافہ اس تحقیق کے بعد ہوا تھا یا پہلے۔ مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کے بعد ہی یہ عمل اختیار کیا گیا ہوگا۔ بہرحال اگر تحقیق سے پہلے بھی ایسا کیا گیا تو بھی ابن الحبحاب نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اس اضافہ میں بالکل حق بجانب تھا۔ اب رہی یہ بات کہ لوگوں کو اُس سے شکایت کا موقعہ ملا۔ اس قسم کی

---

[۱۴۸] المسالک والممالک ص ۸۳، ۸۴ +

تبدیلیاں ہر زمانے میں عوام کو شاق گذرتی ہیں، اور ان کی وجہ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ مصیبت رعایا کو برداشت کرنی پڑتی ہے۔ لہذا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب پرانے نظام کو اچانک تبدیل کیا گیا تو عوام میں بے چینی پھیلی، اور یہ بے چینی قبطیوں کی پہلی بغاوت کی صورت میں رونما ہوئی۔

اس نئی تنظیم اور مردم شماری کے متعلق ایک روایت محفوظ ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کام کس طرح کیا گیا تھا۔ ابن[۱۴۹] عبد الحکم نے لیث بن سعد سے روایت کی ہے کہ جب ولید بن رفاعہ والئی مصر ہوا تو وہ ملک کی مردم شماری کے لئے نکلا، اور یہ بھی دیکھنا چاہا کہ خراج میں تعدیل سے کام لیا جا رہا ہے یا نہیں۔ چنانچہ اس نے چھ مہینے مصر صعید کا دورہ کیا، اور اسوان تک پہنچا۔ کاتبوں اور مددگاروں کی ایک جماعت اس کے ساتھ تھی، جو اس کام کو بڑی تندہی سے جلدی جلدی انجام دیتے تھے۔ مصر اسفل میں اس نے تین مہینے صرف کئے۔ اس نے قریوں میں دس ہزار قریے شمار کئے، جن میں وہ گاؤں شامل نہیں تھے، جن کی آبادی پانچ سو سے کم تھی، اور جزیہ دینے والوں میں سے پچاس لاکھ آدمی شمار کئے۔ ابن رفاعہ کی یہ تحقیق اور مردم شماری کیا نئی چیز تھی، یا اس نے محض اس کام کو جاری رکھا تھا جو ابن الحجاب شروع کر چکا تھا؟ قرین قیاس یہ ہے کہ ابن رفاعہ نے یہ کام جاری رکھا تھا، اور وہ یہ دیکھنے نکلا تھا کہ ابن الحجاب کے بنائے ہوئے قواعد پر حسب احکام صحیح طور سے عمل ہو رہا ہے یا نہیں۔ مذکورہ بالا روایت کے الفاظ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے ـــــ اس طرح ابن الحجاب کے زیر نگرانی اسلامی خراج اور جزیہ کا نظام تکمیل کو پہنچا۔ جس تفصیل سے اس کے حالات محفوظ رکھے گئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تنظیم کے اثرات دور رس تھے۔

مصر کی جدید مردم شماری اور محاصل کی تنظیم ـــــ عبید اللہ بن الحجاب کا صرف یہی ایک کارنامہ

---

[۱۴۹] فتوح مصر و اخبارہا ص ۱۵۶ + خطط ج ۱۔ ص ۷۴ + سیوطی ج ۱۔ ص ۷۱ +

نہیں تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مصر کی فتح کے بعد جو عرب قبائل وہاں آباد ہوئے تھے، ان میں فہم اور عدوان کے سوا باقی سب قبائل کلبی تھے، اور چار مرتبہ کی تدوین میں کہیں بھی ان دو قبائل کے سوا کسی قیسی قبیلے کا نام نہیں آتا۔ گو یہاں بھی تفصیلات سے ہم ناواقف ہیں، لیکن یہ نتیجہ نکالنا بعید از قیاس نہ ہوگا کہ اس مدت میں عرب قبائل یا ان کے افراد برابر مصر میں نقل مکان کرتے رہے ہوں گے۔ جب ایک قبیلے کے لوگ مصر میں بسے تو ظاہر ہے کہ اسی قبیلے کے یا دوسرے قبیلے کے افراد کو بھی وہاں آنے اور آباد ہونے کی ترغیب وتحریص ہوتی ہوگی۔ موجودہ اطلاعات کی بنا پر فیصلہ کرنا ناممکن ہے کہ اب تک اس نو آباد کاری میں حکومت کا ہاتھ کہاں تک کام کر رہا تھا، اور یہ کام کہاں تک اس کے زیرِ نگرانی ہوتا تھا۔ حسن اتفاق سے مصر میں وہ قیسی اور کلبی جھگڑے، جن کی وجہ سے مشرق میں عرب حکومت زوال پذیر تھی، پیدا نہیں ہوئے تھے، اور کبھی معلوم نہیں ہوتا کہ والیانِ مصر اپنے قبیلہ قیسی یا کلبی افراد کو وادیٔ نیل کی برکات سے مستفید ہونے کی دعوت دیتے تھے، یا ان کے لئے خاص خاص علاقے محفوظ کر لیتے تھے۔ جوں جوں عرب وسیع پیمانے پر ملک میں آباد ہوتے چلے گئے، لازمی طور پر عربیت بھی وہاں پھیل گئی۔

بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰۹ھ تک نئے آنے والے تمام عرب کلبی قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ اس سال نئی آباد کاری کی جو کوشش سرکاری طور پر کی گئی اس میں صراحت تھی کہ قیسی قبائل کو مصر کی برکات سے مستفید ہونے کا موقعہ دیا جائے۔ یہ کوشش بھی انھیں دو افسروں کی طرف سے ہوئی جو محاصل کی نئی تنظیم کے ذمہ دار تھے، اور عبید اللہ بن الحجاب اس کوشش میں پیش پیش تھا۔ الکندی[۱۵۰] نے لکھا ہے کہ ۱۰۹ھ میں ولید بن رفاعہ الفہمی کی ولایت مصر میں قیسی وہاں منتقل کئے گئے۔ تفصیل یہ ہے کہ عبید اللہ بن الحجاب خلیفہ ہشام سے

---

[۱۵۰] کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۷۶ + خطط ج ۱ ص ۸۰ + البیان الاعراب ص ۵۰، ۵۱ +

ملنے کے لئے دمشق گیا، اور اس سے اجازت مانگی کہ قیسی قبائل کے چند خاندان (ابیات) مصر میں منتقل کر دئے جائیں۔ خلیفہ نے اُسے تین ہزار قیسیوں کو لے جانے اور ان کا دیوان بھی وہیں منتقل کر دینے کی اجازت دی، بشرطیکہ انھیں فسطاط میں نہ رکھا جائے۔ عبید اللہ نے قیسیوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی، اور انھیں ساتھ لاکر حوف الشرقی میں اُتارا، اور وہیں منتشر کر دیا۔

ایک اور روایت الکندی نے ہیثم بن عدی کی معرفت بیان کی ہے، اور مقریزی نے بلا حوالے اُسے نقل کیا ہے[۱۵۱]۔ عبید اللہ بن الحبحاب جب ہشام کی طرف سے مقرر ہو کر مصر آیا تو اُس نے دیکھا کہ جُدیلہ (یعنی فہم وعدوان) کے سوا اس ملک میں قیس کا کوئی حصہ نہیں۔ اُس نے خلیفہ کو لکھا کہ امیرالمومنین نے قیس کو ہر طرح کا عزّ و شرف بخشا ہے، اور انھیں سرفراز کیا ہے لیکن مصر آکر اُسے معلوم ہوا کہ فہم کے چند گھرانوں (ابیات) کے سوا قیس کا وہاں کوئی حصہ نہیں۔ حالانکہ یہاں بعض اضلاع (کُوَر) غیر آباد پڑے ہیں، اور اگر قیس کو وہاں بسا دیا جائے تو باشندوں کا کوئی ہرج نہ ہوگا، اور نہ خراج میں کمی ہوگی۔ ایسا ہی ایک کورہ بلبیس ہے۔ اگر اجازت ہو تو قیس کو وہاں بسا دیا جائے۔ ہشام نے اجازت دی۔ ابن الحبحاب نے ریگستان (بادیہ) میں اس کا اعلان کیا۔ بنو مضر[۱۵۲] کے سوا اور بنو سلیم[۱۵۳] کے سو گھرانے آئے انھیں اس نے بلبیس میں اُتارا، کھیتی کرنے کا حکم دیا، اور عشر سے جو آمدنی ہوتی تھی ان پر صرف کی۔ ان لوگوں نے اونٹ خریدے اور اناج قلزم لے جانے لگے۔ ایک مہینے میں فی کس دس دینار انھیں وصول ہو جاتے تھے۔ پھر عبید اللہ نے انھیں گھوڑے خریدنے کا

۱۵۱؎ کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۷۶، ۷۷ + خطط ج ۱۔ ص ۸۰ +

۱۵۲؎ الکندی ص ۷۷۔ حاشیہ ۳ + البیان والاعراب (ص ۵۰) میں بجائے مضر کے نصر ہے۔

۱۵۳؎ البیان والاعراب (ص ۵۰) میں بنو سُلَیم کی تعداد تین سو بیان کی گئی ہے۔

حکم دیا۔ ایک شخص ایک بچھیرا خرید تا تھا، وہ ایک مہینے میں سواری کے قابل ہو جاتا تھا۔ انھیں اونٹوں اور گھوڑوں کے چارے کی قیمت بھی نہیں دینی پڑتی تھی، کیوں کہ ان کی چراگاہیں بہت اچھی تھیں۔ جب ان حالات کی اطلاع ان کے اہل قوم کو ہوئی تو وہ بھی ان کے پاس آگئے۔ اس طرح قیس کے پانچ سو گھرانے بادیہ سے مصر پہنچ گئے۔ ان کی بھی اسی طرح مدد کی گئی۔ ایک سال بعد تقریباً پانچ سو گھرانے اور آئے۔ ہشام کی وفات کے وقت (۱۲۵ھ) بلبیس میں قیسیوں کی تعداد پندرہ سو تھی۔ خلیفہ مروان بن محمد نے حوثرہ بن سُہَیل الباہلی کو مصر کا والی مقرر کیا تو اُس کی وجہ سے قیسی اور بھی بڑی تعداد میں مصر آئے۔ مروان کی وفات کے وقت تین ہزار قیسی وہاں موجود تھے۔ بادیہ سے آنے والوں کے علاوہ خود پرانے نو آبادکاروں کی اولاد وہاں خوب پھلی پھولی۔ محمد بن سعید (۱۲۶ھ سے ۱۳۱ھ) کے زمانے میں ان کی تعداد جن میں بالغ اور نابالغ دونوں شامل تھے، پانچ ہزار سے دو سو کم یا دو سو زیادہ تھی۔ ابن عبد الحکم[۱۵۴] نے لکھا ہے کہ خلیفہ ہشام نے عبید اللہ کو پانچ ہزار فریضوں (عطیات) کی اجازت دی تھی، اور یہ تمام فریضے اُس نے قیس میں منتقل کر دئے تھے۔ حوثرہ بن سُہَیل کے زمانے میں قیسیوں کی تعداد کے یکبارگی بڑھ جانے کا سبب تھا کہ وہ سات ہزار سواروں کے ساتھ مصر آیا تھا۔[۱۵۵]

ان دونوں روایات میں ایک بین فرق ہے۔ پہلی روایت کے بموجب یہ نو آبادکاری یک بارگی شروع ہوئی اور تین ہزار یا پانچ ہزار قیسیوں کے مصر میں منتقل ہو جانے سے مکمل بھی ہو گئی۔ مگر ہیثم کے مطابق یہ عمل بتدریج ہوا، اور مصر کے حالات جوں جوں معلوم ہوتے گئے

---

۱۵۴ فتوح مصر واخبارہا۔ ص ۱۴۳ + خطط ج ۲۔ ص ۲۶۱ + فریضۃ :۔ الفرض العطیۃ وقیل ما اعطیتہٗ بغیر قرض + وافرضت الرجل : اذا اعطیتہٗ + الاصمعی : یقال فرض لہ فی العطاء وفرض لہ فی الدیوان یفرض فرضاً۔ لسان العرب۔ تحت فرض۔

۱۵۵ وزاد صاحب البغیۃ : ومعہ سبعۃ آلاف فارس + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۳۳۹ +

مزید قیس وہاں منتقل ہوتے گئے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ دونوں تحریکیں بوقت واحد شروع ہوئی ہوں۔ ایک طرف ابن الحجاب کی سرکاری نو آبادکاری تھی، اور دوسری طرف خود قیس مصر میں توطن اختیار کر رہے تھے۔ لیکن ابن الحجاب نے دونوں صورتوں میں قیسیوں کی سرپرستی کی، اور ہر دو صورت میں نو آباد کاروں کے ساتھ ایک ہی قسم کی مراعات برتی گئیں۔ قیس کو خاص طور پر منتخب کرنے، یا پانچ ہزار فرائض کو قیس کے ساتھ مخصوص کر دینے کی وجہ یہ تھی کہ ہشام کے عہد میں یہی قبیلہ پیش پیش تھا۔ پھر ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ان نئے عربوں کو مصر میں لانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ فوجی قوت میں اضافہ کیا جائے، بلکہ حکم دیا گیا تھا کہ انھیں فسطاط میں نہ بسایا جائے، اور زمینوں پر آباد کر کے زراعت پر لگایا جائے۔ سپاہیوں میں اضافہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی، بلکہ مصر میں عربوں کو آباد کرنا مقصود تھا۔ مقریزی[۱۵۶] کے مطابق اس کا ایک بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک تمام مصر میں، خواہ وہ مصر صعید یا ارض الاسفل، دیہات قبطیوں اور رومیوں سے بھرے ہوئے تھے، لیکن عبید اللہ کی نو آبادکارانہ جدوجہد کے بعد "مصر" اور اس کے نواح کے قریوں میں مسلمان پھیل گئے، اور قبطیوں کی طاقت کم ہو گئی۔ عرب اب پوری طرح زراعت پر قابض تھے۔ لیکن مصر اب تک قبائلی جھگڑوں سے آزاد تھا، وہاں بھی توازن قائم ہو جانے کی وجہ سے کلبی اور قیسی تنازعات شروع ہو گئے۔

ولید بن رفاعہ کے زمانے کا صرف ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے۔ ۱۱۷ھ میں اس نے حمراء میں عیسائیوں کو ایک گرجا بنانے کی اجازت دی، جو بعد میں "ابومینا" یا "بومنا" کے نام سے مشہور ہوا۔ اس پر مسلمان ناراض ہو گئے، اور وُھَیب الیحصبی نے ولید بن رفاعہ کو قتل کرنے کی کوشش کی مگر خود گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ بومنا کا گرجا سلطان الناصر محمد بن قلاؤن کے زمانے تک باقی رہا اور اس عہد میں جب مصر کے دوسرے گرجا منہدم کئے گئے ہیں تو

---

۱۵۶ خطط ج ۱۔ ص ۱۶۲ +

انھیں میں یُوحنا بھی شامل تھا[۱۵۵]۔

سات سال پانچ مہینے کی حکومت کے بعد ولید بن رفاعہ کا مصر میں انتقال ہوا۔ اس سے قبل ۱۱۴ھ میں عبید اللہ بن الحجاب افریقہ کی حکومت پر منتقل ہو چکا تھا۔

(۱۰)

عبید اللہ بن الحجاب اور ولید بن رفاعہ کی اصلاحات پہلی صدی ہجری کی آخری اصلاحات تھیں، اور یہی زمانہ مصر میں عرب حکومت اور عرب قوم کے انتہائی عروج کا بھی تھا۔ اسی وقت یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان اصلاحات کی وجہ سے جزیہ اور خراج میں فرق قائم کیا گیا، اور پرانے جزیہ یا خراج کو باقی رکھ کر، نئی پیمائش کے مطابق لگان اراضی عائد کیا گیا۔ اس کے بعد خلیفہ ہشام کے زمانے میں کسی بڑی تبدیلی کا ذکر نہیں آتا۔ خلیفہ کا انتقال ۱۲۵ھ میں ہوا، اور سات سال بعد ۱۳۲ھ میں بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ ان انقلابات سے مصر بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ چنانچہ اسی سات سال کے عرصے میں ہمیں یہ عجیب و غریب بات دکھائی دیتی ہے کہ عرب خود اپنی ہی حکومت اور حاکم کے خلاف متعدد مرتبہ شورش اور فساد برپا کرتے ہیں، اور حالات میں سکون پیدا کرنے کے بجائے انتشار میں اضافہ کا باعث بنتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ خود بنو امیہ کے افراد بھی، جو مصر میں موجود تھے، نہایت ناعاقبت اندیشی سے ان شورشوں میں حصہ لیتے ہیں، اور مصر میں اپنے خاندان کی حکومت کو تباہ کرنے میں بہت نمایاں ہیں۔

خلیفہ ہشام کی وفات پر اس کا بھتیجا ولید بن یزید بن عبد الملک خلیفہ ہوا۔ پہلے تو اس نے پرانے والی حفص بن ولید الحضرمی کو، جو مصر میں حضرمیوں کا سب سے سربرآوردہ شخص تھا، اور جسے بنو امیہ کے خلفاء ولید بن عبد الملک کے بعد سے برابر مختلف حکومتوں پر

---

[۱۵۵] الکندی ص ۷۷، ۷۸ + خطط ج ۲۔ ص ۵۱۲ +

مقرر کرتے آئے تھے[۱۵۸]، بحال رکھا، بلکہ خراج کا کام بھی اس کے سپرد کر دیا۔ لیکن چار مہینے بعد عیسیٰ بن العطا، کو پھر الگ صاحب الخراج مقرر کیا۔ ولید بن یزید نے حفص کو حکم دیا تھا کہ اجناد شام کے جو لوگ مصر میں ہوں انھیں شام واپس بھیج دے۔ جب حفص نے اس حکم کی تعمیل کرنی چاہی تو ان شامیوں نے فساد برپا کیا، اور حفص کا اُسی کے گھر میں محاصرہ کرلیا۔ یہ شورش ان کے سرغنہ ربیعہ، مولائے اہل حمص، کی گرفتاری اور قتل سے فرو ہوئی، اور شامی اپنی اجناد کو واپس کئے گئے[۱۵۹]۔ یہ معمولی سا واقعہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کا پیش خیمہ تھا۔

سلخ جمادی الآخر ۱۲۶ھ کو ولید بن یزید کو قتل کرکے 'یزید بن ولید' المعروف "بالناقص" خلیفہ ہوا۔ اُس وقت حفص بن ولید دمشق ہی میں تھا نئے خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ فوراً مصر جائے، اور اُسے تیس ہزار فوج کے فریضوں کا حکم بھی دیا[۱۶۰]۔ الکندی[۱۶۱] کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ یزید کے اس حکم سے مطلب یہ تھا کہ نئی فوجی تنظیم کی جائے۔ چنانچہ حفص نے ان فریضوں سے نئے افسر (قواد) مقرر کئے جن کا نام اُس نے "اصحاب الندبہ" رکھا۔ نئی مرتب شدہ فوج میں موالی اور ان کے متوسلین (مقامصہ[۱۶۲]) بھرتی کئے گئے تھے۔ اس فوج کو الحفصیۃ کہتے تھے۔ ابھی بنوامیہ کا زمانہ ختم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ مصر کی فوج میں یہ زبردست

---

[۱۵۸] الکندی ص ۸۳، + خطط ج ۱۔ ص ۳۰۳ +

[۱۵۹] ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۳۲۴ +

[۱۶۰] ان یفرض للجند ثلاثین الفاً (ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۳۲۴) + الکندی (ص ۸۴) میں یفرض کے بجائے یعرض ہے + خطط (ج ۱۔ ص ۳۰۳): وامَرَّہ علی ثلاثین الفاً وفرض فروضاً۔

[۱۶۱] کتاب الولاۃ والقضاۃ ص ۸۴ +

[۱۶۲] مقامصہ تحقیر کا لفظ ہے۔ الکندی (ص ۳۴۴) میں سعید بن کثیر کہتا ہے: "واصلح اللہ الامیر مابال ابناء الصباغین والمقامصہ یذکرون فی المواضع اللتی لم یجعل اللہ عزوجل لہا اھلاً۔ دیکھو الکندی کی فرہنگ + بہ ۲۱۲ کا واقعہ۔

تبدیلی ہوئی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے نومسلم اہل الذمہ کو دیوان میں شریک کیا تھا، اور اس طرح غیر عربی عنصر کو فوج میں جگہ دی تھی۔ اب یزید بن ولید کے زمانے میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ وہ اور اُس کے والئ مصر، حفص بن ولید، اہل الدیوان عربوں کو قابل اعتماد نہیں سمجھتے، بلکہ موالی اور مقامصہ کی ایک نئی فوج بھرتی کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس نئی فوج میں عربی عنصر بالکل غائب ہے، اور سپاہی اور افسر سب غیر عرب ہیں۔ اس فوج کی تعداد بھی قابل غور ہے تیس ہزار نئی فوج کا مطلب یہ تھا کہ پرانے عرب فوج کا اسے مدمقابل بنا دیا جائے۔ اس طرح ۱۲۶ھ میں فوجی خدمت، جو عربوں کے لئے مخصوص تھی، اب ان کے ہاتھ سے نکلنی شروع ہوگئی، اور وہ لوگ اس خدمت پر مامور ہونے شروع ہوگئے جنھیں عرب ذلیل سمجھتے تھے۔ یہ تھا نتیجہ اس فساد اور شورش کا جو اجناد شام کے افراد نے حاکم مصر کے خلاف برپا کی تھی۔

لیکن اس نئی فوج کا بھرتی کرنا بھی بذات خود خطرے سے خالی نہ تھا۔ چنانچہ اس کے نتائج وعواقب فوراً ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ یزید بن ولید کے انتقال پر ۱۲۷ھ میں مروان بن محمد نے ابراہیم کو الگ کرکے اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ حفص بن ولید نے ولایت مصر سے استعفا دے دیا، اور مروان نے اسے منظور کرکے حسان بن العتاہیہ کو مقرر کیا۔ اُس نے مصر آکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حفص کے مقرر کردہ تمام فریضے یک قلم منسوخ کر دئے۔ نئی فوج نے فوراً غدر کرکے مطالبہ کیا کہ حفص کو دوبارہ مقرر کیا جائے۔ ایک طرف تو اہل الندبہ کی یہ شورش تھی اور دوسری طرف مسودہ (عباسیہ کے ہمدرد) مصر میں اپنا دعویٰ پیش کرنے کے لئے وہاں پہنچ چکے تھے، اور مشرق سے بھی اہل مصر سے خط وکتابت کر رہے تھے۔ اہل مصر اس دعوی سے متاثر ہوئے۔ صرف ایک شخص یزید بن ابی ابیہ المعافری نے خطرے کو محسوس کیا۔ مگر اس کی ایک پیش نہ گئی۔ آخر کار اہل الندبہ نے حسان بن العتاہیہ کو صرف سولہ دن کی حکومت کے بعد مصر سے چلے جانے پر مجبور کیا۔[۱۶۳] فوج نے حفص کو طوعاً وکرہاً تیسری مرتبہ مصر کا والی بنا دیا۔

۱۶۳؎ الکندی ص ۸۵ ۔ ۸۸ + حسان بن العتاہیہ پر یہ بھی تہمت تھی کہ وہ عباسیہ کا ہمدرد تھا۔ دیکھو ابن تغری بردی ج ۱ ص ۳۳۴ +

یہ ۱۲۷ھ کا واقعہ ہے۔ ۱۲۸ھ میں وہ معزول ہوا۔ اس کے جانشین حَوثرہ بن سُہَیل نے حالات کو بہتر بنانے کی انتہائی کوشش کی: مفسدوں کو قتل کرایا، شیعان مروان کو خاص فریضے دئے، اور ایک فوج سرحد کی حفاظت کے لئے عریش بھیجی۔ مگر یہ سب تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں[۱۶۴]۔ اس پر طرہ یہ کہ اس زمانے میں مشرق کی افراتفری اور بدنظمی کی وجہ سے مروان کو رقم کی شدید ضرورت ہوئی، اور اس نے مصر کے عطیات بالکل منقطع کر دئے۔ گو اگلے سال اس نے یہ عطیات پھر جاری کرا دئے، بلکہ گزشتہ سال کا بقایا بھی ادا کیا، اور اہل مصر سے معذرت بھی کی[۱۶۵]، لیکن اس طرز عمل سے مصر پر جو خراب اثر پڑا وہ مستقل ہو چکا تھا۔

حالات اس حد تک اور اس سرعت کے ساتھ بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے کہ آخر مروان نے ۱۳۱ھ میں عبد الملک بن مروان بن موسے بن نصیر کو وہاں کا والی علی الصلاۃ و علی الخراج مقرر کیا۔ مگر وہ بھی کوئی اچھا اثر پیدا نہ کر سکا۔ اول تو یُحَنّس نامی ایک قبطی نے ۱۳۲ھ میں سَمَنُّود میں شورش برپا کی[۱۶۶]۔ یہ شورش فرو ہوئی ہی تھی کہ عمرو بن سہیل بن عبد العزیز بن مروان نے خلیفہ کے خلاف خروج کیا، اور دُماحس بن عبد العزیز الکنانی نے اس کا ساتھ دیا۔ عبد الملک بن مروان نے باغیوں کے خلاف ایک فوج روانہ کی۔ قصہ مختصر، یہ بغاوت بھی فرو ہوئی۔ عمرو بن سہیل کو گرفتار کر کے فسطاط میں قید کر دیا گیا[۱۶۷]۔ عبد الملک بن مروان کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ تھا کہ اُس نے مصر کے تمام اضلاع (کور) میں منبر قائم کئے۔ اس سے قبل خطیب عصا ہاتھ میں لے کر قبیلے کی طرف رُخ کر کے خطبہ

---

۱۶۴ الکندی ص ۸۹۔ الخ

۱۶۵ خطط ج ۱۔ص ۳۰۲

۱۶۶ الکندی ص ۹۴ + خطط ج ۱۔ص ۷۹

۱۶۷ الکندی ص ۹۴ +

خطبہ پڑھا کرتے تھے۔[۱۶۸]

اس عرصے میں مرکز خلافت کے حالات ناگفتہ بہ ہو گئے تھے، اور مروان کو کہیں پناہ نہیں ملتی تھی۔ دوسری طرف مصری فوج نے فیصلہ کیا کہ وہ خلیفہ کے مصر آنے میں مزاحم ہوں گے۔ بہر حال ۲۲ شوال ۱۳۲ھ کو مروان مصر آیا۔ مگر اس وقت تک حوف الشرقی کے عرب جنھیں ابھی چند سال قبل مصر میں بسایا گیا تھا، علانیہ طور پر مسودہ میں شریک ہو چکے تھے۔ یہی حال اسکندریہ، مصر صعید اور اسوان کا تھا۔ مروان بالآخر جیزہ میں داخل ہوا۔ اب جو جدوجہد شروع ہوئی اُس میں خلیفہ کے خلاف عربوں کے علاوہ قبطیوں نے بھی حصہ لیا۔ ایک طرف یہ ابتری تھی، اور دوسری طرف ذی الحجہ ۱۳۲ھ میں صالح بن علی بن عبد اللہ بن عباس مصر میں داخل ہوا۔ مروان نے بُوصیر کا راستہ لیا، اور صالح بن علی اُس کے پیچھے چلا۔ یہیں ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۲ھ کو مروان اپنے چند وفادار ملازموں کے ساتھ قتل ہوا[۱۶۹]، اور مشرق میں بنو امیہ کا خاتمہ ہو گیا۔

(۱۱)

اس طرح ۱۳۲ھ میں اہل مصر نے برضا و رغبت اپنا ملک نئے خاندان خلافت کے سپرد کر دیا۔ بنو عباس اپنے آپ کو ابتدا ہی سے بڑی حد تک عربوں سے مستغنی سمجھتے تھے، اور عراق میں ان کی حکمت عملی شروع ہی سے یہ تھی کہ خراسانیوں یا عجمیوں کو عربوں پر ترجیح دی جائے۔ شروع میں مشرقی صوبوں کے حاکم ضرور خاندان خلافت سے ہوتے تھے، مگر ان سب کے مشیر اور مددگار عجمی تھے۔ مصر کے حالات اس سے مختلف تھے۔ اول تو وہاں عربوں کا اقتدار اس قدر مستحکم تھا کہ انھیں فوراً بے دخل کرنا ناممکن بھی تھا اور پرخطر بھی، دوسرے چند ہی سال قبل عربوں کی نوآبادی میں سرکاری اور غیر سرکاری طور پر جو اضافہ ہوا تھا

---

۱۶۸ الکندی ص ۹۳، ۹۴ + تفصیل کے لئے دیکھو ہمارا مضمون منبر و عصا۔ اورنٹیل کالج میگزین۔ اگست ۱۹۳۹ء

۱۶۹ الکندی ص ۹۴-۹۷ + ابن تغری بردی ج ۱ ص ۳۵۰-۳۵۲ +

اُس سے ان کی آبادی اتنی بڑھ گئی تھی کہ انھیں نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ لہذا کم و بیش سو برس تک بنو عباس نے عربوں کو ان کی جگہ پر قائم رکھا، اور مصر کے تمام ملازمین عرب ہی رہے۔ مگر ناممکن تھا کہ یہ حالات ہمیشہ باقی رہتے۔

مصر پر قبضہ کرنے کے بعد خلیفہ ابو العباس سفاح نے اپنے چچا صالح بن علی، فاتح مصر، ہی کو وہاں کا علی الصلاۃ و الخراج حاکم مقرر کیا۔ اول تو اُس نے بنو امیہ کے ہمدردوں کو گرفتار کرا کے قتل کرایا، اور پھر بنوامیہ کے افراد کو، جن میں عبد العزیز بن مروان کی اولاد بھی شامل تھی، گرفتار کرایا، لیکن انھیں بجائے مصر میں قتل کرانے کے فلسطین کے شہر قلنسوہ میں لے جا کر قتل کیا گیا۔[۱۴۰] اس سخت گیری کے ساتھ ساتھ صالح بن علی نے مقاتلہ اور ان کے خاندانوں میں عطیات، اور یتیموں اور مسکینوں میں صدقات تقسیم کئے، اور اب کہ ملک بنو امیہ کے ہمدردوں اور افراد سے پاک ہو چکا تھا، اس نے ان لوگوں میں قطائع بھی تقسیم کئے جنھوں نے سیاہ رنگ اختیار کر لیا تھا۔ یہ قطائع منیۃ بُولاق اور اھناس کے دیہات میمون اور سُوَید تھے۔ الکندی نے ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جنھیں یہ قطائع دئے گئے تھے۔[۱۴۱] اب قطائع کی حیثیت وہ نہیں تھی جو ہم مروان بن عبد العزیز کے زمانے میں دیکھ آئے ہیں، بلکہ یہ ہر لحاظ سے باقاعدہ جاگیریں تھیں۔ صالح بن علی نے فسطاط کی مسجد میں بھی اضافہ کرایا۔ اسی عہد میں پہلی مرتبہ دیوان الجند کا بھی ذکر آتا ہے۔[۱۴۲] غالباً یہ دیوان اُس نئی فوج کے سلسلے میں قائم کیا گیا تھا جو حفص بن ولید نے ترتیب دی تھی۔ صالح بن علی ۱۳۳ھ میں فلسطین کی حکومت پر منتقل کیا گیا، اور ۱۳۶ھ دوبارہ مصر بھیجا گیا۔

---

۱۴۰ الکندی ص ۹۸-۱۰۰ + خطط ج ۱ ص ۳۰۴ + ابن تغری بردی ج ۱ ص ۳۶۰ +

۱۴۱ کتاب الولاۃ و القضاۃ ص ۱۰۱ + خطط ج ۱ ص ۳۰۴ +

۱۴۲ الکندی ص ۹۸ +

اس مرتبہ اُس نے مصر میں دو ہزار سپاہیوں کا اضافہ کیا، اور اہل مصر کے عطیات میں دس دس (دینار ؟) بڑھا دئے۔

خلیفہ ابوجعفر منصور کی طرف سے یزید بن حاتم المہلبی ذی القعدہ ۱۴۴ھ میں حاکم مقرر ہو کر مصر پہنچا، اور ۱۵۲ھ تک وہاں رہا۔ اس کے عہد کے دو واقعات قابل ذکر ہیں۔ اول تو مصر میں پہلی مرتبہ بنو علیؓ کی دعوت کا ظہور ہوا، اور بنو حسن میں سے علی بن محمدؒ بن عبداللہ بن حسن پہلے علوی تھے جو مصر میں داخل ہوئے[۱۷۲]۔ مگر ذی الحجہ ۱۴۵ھ میں جب ابراہیم بن عبداللہ کا سر مصر میں گشت کرانے کے لئے بھیجا گیا تو یہ دعوت بالکل ختم ہوگئی۔ ۱۵۰ھ میں قبطیوں نے یزید بن حاتم کے خلاف خروج کیا۔ سخا، نابذوا، شبرا سنباط، بشرود، اوسیا اور بجوم میں یہ شورش پھیلی، اور جو فوج یزید نے ان کے خلاف بھیجی وہ ناکام رہی، اور قبطیوں کے لشکر کو آگ لگا کر فسطاط کو پسپا ہوگئی۔ ۱۵۶ھ میں موسیٰ بن عُلَیّ بن رباح کے زمانے میں بلہیت میں پھر قبطیوں نے نقض امن کیا۔ یہ شورش فرو کی گئی۔ مگر اس وقت عیسائیوں پر بڑی سختی گذری اور انھیں مردار کھانے پر مجبور ہونا پڑا، اور ان کے گرجا بھی منہدم ہوئے[۱۷۳]۔

(۱۲)

اصل یہ ہے کہ اب تک مصر میں ایک بہت بڑی معاشرتی اور معاشی تبدیلی ہوچکی تھی۔ ابن الحبحاب کی کوششوں کا صریحاً نتیجہ یہ ہوا تھا کہ عرب باقاعدہ طور پر زراعت میں لگ گئے تھے، اور حکومت نے انھیں اس میں مدد دی تھی۔ گو ابتدائی عہد میں زراعت کرنا عربوں کے لئے قانوناً منع تھا، لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس طرف سے ہمیشہ غافل رہے تھے۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ زمینوں پر قابض ہوتے جا رہے تھے، اور اس وقت تک باقاعدہ طور پر

---

۱۷۲ الکندی ص ۱۱۱ - ۱۱۵ +

۱۷۳ الکندی ص ۱۱۶، ۱۱۷ + خطط ج ۱ ص ۷۹ + ج ۲ ص ۴۹۳ +

زمینوں سے وابستہ ہو گئے تھے۔ جوں جوں عرب اراضی پر آباد ہوتے گئے اور جوں جوں اسلام اور عربی زبان پھیلتی گئی عرب عناصر کا زور ملک میں بڑھتا گیا۔ لیکن اس کے ساتھ قبطیوں سے عربوں کا میل جول بھی بڑھا، اور آہستہ آہستہ دونوں قوموں کے مفاد، جو اب تک الگ الگ تھے، ایک ہوتے چلے گئے۔ دونوں میں اتحاد قائم ہوتا گیا اور امتیازات اٹھتے گئے۔ عربوں کے سیاسی اور معاشری تفوق کے خاتمے کا ایک بین ثبوت یہ ہے کہ عربوں نے ان محاصل کے خلاف احتجاج کیا جو خود انھیں کی حکومت نے عائد کئے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب وہ حاکم اور مالک کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، بلکہ عام آبادی کا ایک جزر بن گئے تھے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک عربی زبان نہیں پھیلی، اسلام کی اشاعت نہیں ہوئی، اور عربوں کی طرف سے مدد نہیں پہنچی، قبطیوں کو احتجاج کی ہمت نہیں ہوئی۔

عرب اب حکومت کے مددگار ہونے کے بجائے ایک مصیبت ثابت ہو رہے تھے۔ چنانچہ ۱۶۲ھ میں عربوں ہی کی وجہ سے ملک میں بدامنی کا اس حد تک دور دورہ ہوا، اور راستے اس قدر غیر محفوظ ہو گئے کہ ایک سخت گیر حاکم، یحییٰ بن داؤد الشہیر با بن ممدود ابو صالح کو مصر بھیجا گیا۔ سخت گیری کے باوجود مورخ اس کی قابلیت کے ثنا خواں ہیں۔ اُس نے امن و امان قائم کیا، اور حکم دیا کہ رات کو کوئی شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے نہ سوئے، اگر چوری ہو گئی تو تمام مال کی واپسی کا وہ خود ذمہ دار ہے[۱۷۵]۔ لیکن ۱۶۷ھ میں پھر بدامنی کا دور دورہ ہوا، اور اس وقت بھی اس کی ذمہ داری عربوں پر تھی۔ موسےٰ بن مُصّعَب حاکم تھا۔ اُس نے خراج وصول کرنے میں سختی برتی، فی فدان خراج دگنا کر دیا، اہل بازار اور باربرداری کے جانوروں پر بھی ایک درہم محصول لگا دیا، اور رشوتیں لینی شروع کیں۔ قیس اور یمانیہ (کلبی) نے بغاوت کی۔ ان مفسدوں نے اہل مصر کے ساتھ خط و کتابت کی اور سب موسےٰ کے

---

۱۷۵ الکندی ص ۱۲۲ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۴۳۷ +

خلاف متحد ہو گئے۔ موسیٰ بذات خود یمانیہ اور قیسیہ سے لڑنے کے لئے نکلا لیکن عین وقت پر اہل مصر اس سے الگ ہو گئے اور اُسے مفسدوں کے حوالے کر دیا۔ شوال ۱۶۸ھ میں اُسے قتل کیا گیا[177]۔ یہاں عرب اور اہل مصر دونوں متحدہ محاذ پر لڑ رہے ہیں، اور دونوں کا مقصد نئے محاصل کے خلاف احتجاج ہے۔ پھر ایک بغاوت، جس کا سبب بھی خالص معاشی تھا ۱۷۸ھ میں شروع ہوئی، اور مامون کے زمانے تک اس کا سلسلہ جاری رہا۔

اسحاق بن سلیمان عباسی امیر مصر نے ۱۷۸ھ میں مزارعین کے خراج میں اضافہ کیا اس پر اہل حوف الشرقی نے بغاوت کی، اور اسحاق کے خلاف لشکر تیار کیا۔ اسحاق ان کے مقابلے میں ناکام رہا، اور بالآخر خلیفہ ہارون الرشید سے مدد مانگنے پر مجبور ہوا۔ خلیفہ نے ہرثمہ بن اعین کو مصر بھیجا، جس نے اہل حوف کو سمجھا بجھا کر مطیع کر لیا، اور انھوں نے خراج بھی ادا کر دیا[178]۔ پھر ۱۸۶ھ میں لیث بن فضل کے خلاف اہل حوف نے بغاوت کی۔ وجہ یہ ہوئی کہ لیث نے اراضی کی نئی پیمائش کرائی تھی، اور پیمائش کرنے والوں نے قصبہ میں چند انگشت کی کمی کر دی تھی۔ اہل حوف نے شکایت کی اور جب شنوائی نہ ہوئی تو انھوں نے قسطاط پر چڑھائی کر دی۔ لیث مقابلے کے لئے نکلا۔ اس موقعے پر بھی مستقل فوج نے غداری کی۔ مگر اس کے باوجود وہ مفسدوں پر غالب آیا، اور اہل حوف ناکام اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ ۱۸۷ھ میں لیث بن فضل معزول ہوا، اور احمد بن اسماعیل امیر مصر مقرر کیا گیا[179]۔ پھر ۱۹۱ھ میں ایک ایسی ہی بغاوت خراج کی ادائی کے متعلق حسین بن جمیل کے عہد ولایت میں نہ ہوئی۔ یہ بغاوت اتنی خطرناک تھی کہ اس کے اثرات شام تک پہنچے، اور بالآخر ہارون رشید نے

---

[177] الکندی ص ۱۲۵، ۱۲۶ + المتوفی ص ۱۰۲ + خطط ج ۱۔ ص ۸۲ + ج ۲۔ ص ۳۹۴ + ابن تغری بردی ج ۱۔ ص ۴۷۴ +

[178] خطط ج ۱۔ ص ۸۰ + الکندی ص ۱۳۶ +

[179] الکندی ص ۱۴۳ + خطط ج ۱۔ ص ۸۰ +

اپنے ایک افسر یحییٰ بن معاذ کو مصر بھیجا، اور حسین بن جمیل کو معزول کر کے مالک بن دلہم کو مقرر کیا۔ یحییٰ بن معاذ نے بغاوت فرو کی، اور واپس جاتے وقت قیسہ اور یمانیہ کے دو رئیسوں کو قسطاط بلا کر دھوکے سے گرفتار کر لیا۔[۱۸۰] پھر ۲۱۴ھ میں ایک اور بغاوت صالح بن شیرزاد، عامل خراج، کے ظلم اور خراج میں اضافہ کرنے کی وجہ سے ہوئی۔ اسفل الارض میں نقض امن ہوا، اور باغیوں نے ایک فوج تیار کر لی۔ عیسیٰ بن یزید الجلودی حاکم مصر نے اپنے بیٹے محمد کو باغیوں کے خلاف بھیجا۔ مگر بلبیس کے مقام پر محمد نے ایسی شکست کھائی کہ صرف وہی میدان جنگ سے واپس پھرا، باقی تمام فوج کام آئی، یہ بغاوت جاری رہی، اور جو فوجیں باغیوں کے خلاف بھیجی گئیں سب کو شکست ہوئی، بالآخر ابو اسحاق بن رشید (معتصم) نے انھیں شکست دی، اور ان کے سربرآوردہ لوگوں کو گرفتار کر کے بغداد لے آیا۔[۱۸۱] اس موقع پر ابو اسحاق (معتصم) چار ہزار ترک فوج اپنے ساتھ لایا تھا، اور حوف الشرقی کے یمانیہ اور قیس کے اتنے آدمی اس نے قتل کئے تھے کہ وہ تقریباً فنا ہو گئے۔[۱۸۲]

۲۱۳ھ میں مامون نے مصر کو اپنے بھائی معتصم کے سپرد کر دیا تھا، اور اس سال سے معتصم ہی وہاں کا والی مقرر اور معزول کرتا تھا۔ صرف کیدر ایک والی تھا، جو مامون کی طرف سے مقرر ہوا تھا،[۱۸۳] اور ۲۱۴ھ میں جب معتصم مصر آیا ہے تو حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے آیا تھا۔ اس کے دو سال بعد ہی ۲۱۶ھ میں سب سے زیادہ خطرناک بغاوت ہوئی جس میں قبطیوں اور عربوں نے پھر متحدہ محاذ قائم کیا۔ معتصم کی طرف سے عیسیٰ بن منصور حاکم تھا، اور حوف الشرقی کی یہ

۱۸۰؎ الکندی ص ۱۴۳ + خطط ج ۱- ص ۸۰ +

۱۸۱؎ خطط ج ۱- ص ۸۱ + الکندی ص ۱۸۴-۱۸۸ + ابن تغری بردی ج ۱- ص ۶۲۵، ۶۲۶ +

۱۸۲؎ ابن تغری بردی ج ۱- ص ۶۲۶ +

۱۸۳؎ گروہمان ص ۱۴۶ + لیکن المتوفی (ص ۱۰۵) نے لکھا ہے کہ کیدر کو بھی معتصم ہی نے مقرر کیا تھا۔

بغاوت اس کے عمال کی سوء سیرت کا نتیجہ تھی۔ باغیوں نے عمال کو نکال دیا۔ حکومت اب بالکل مجبور تھی، اور ہر طرف فتنہ فساد کا بازار گرم تھا۔ بالآخر مرکزی حکومت نے پھر دخل دیا۔ جمادی الآخر ۲۱۶ھ میں مشہور ترک سپہ سالار افشین فسطاط آیا، اور دریائے نیل کی طغیانی ختم ہوتے ہی بغاوت فرو کرنے میں مصروف ہوگیا۔ عیسیٰ بن منصور اور افشین نے فوج جمع کی۔ افشین کی کامیابیاں فوراً شروع ہوگئیں، اور اس نے شکست خوردہ باغیوں کا تعاقب کیا۔ اسکندریہ میں بھی بغاوت پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا بھی افشین نے انتظام کیا۔ ایک طرف افشین لڑ رہا تھا، اور دوسری طرف عیسیٰ بن منصور برسرپیکار تھا۔ لیکن اس کے باوجود یہ بغاوت فرو نہ ہوئی۔ بالآخر محرم ۲۱۷ھ میں خود مامون مصر آیا۔ عیسیٰ بن منصور اس وجہ سے معتوب ہوا کہ اس کے عمال شورش کا موجب ہوئے تھے، اور اس نے بروقت اس کا انسداد نہیں کیا تھا۔ خلیفہ نے مصر کے متعدد حصوں کا دورہ کیا۔ اس اثنار میں افشین نے قبطیوں کو شکست دے کر اس پر راضی کر لیا کہ وہ امیرالمومنین کو اپنا حکم مقرر کریں۔ مامون نے فیصلہ صادر کیا کہ قبطی مرد قتل کئے جائیں، اور عورتیں اور بچے غلام بنائے جائیں۔ اس فیصلے پر عمل ہوا۔ اب امن قائم ہو چکا تھا۔ ۱۲ صفر ۲۱۷ھ کو مامون بغداد واپس چلا گیا۔[۱۸۴]

۲۱۸ھ میں مامون کی وفات پر معتصم خلیفہ ہوا۔ اس نے کیدر، حاکم مصر کو اپنی بیعت کی اطلاع دی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ دیوان سے عربوں کے نام کاٹ دئے جائیں، اور ان کے عطیات بند کر دئے جائیں۔ کیدر نے اس پر عمل کیا۔[۱۸۵] مگر خلیفہ کا یہ حکم بلا احتجاج نہ رہا۔ یحییٰ بن وزیر الجروی نے لخم اور جذام کو لے کر خروج کیا، اور کہا کہ یہ کام (بغاوت) ایسا ہے جس سے زیادہ حق بجانب کام پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ کیوں کہ اس نے ہمارا حق اور فئے ہم سے روک دیا

---

۱۸۴ الکندی ص ۱۹۰-۱۹۲ + خطط ج ۱۔ ص ۸۱ +

۱۸۵ الکندی ص ۱۹۳ + خطط ج ۱۔ ص ۹۴ +

ہے۔ صرف پانچ سو آدمی اس کے ساتھ ہوئے۔ بغاوت ناکام رہی، اور ۲۱۹ھ میں یحییٰ بن وزیر گرفتار ہوا، اور اُس کے ساتھی منتشر کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مقریزی[۱۸۶] لکھتا ہے کہ

"انقرضت دولة العرب من مصر وصار
جندها العجم والموالی من عهد المعتصم
الی ان ولی ابو العباس احمد بن طولون مصر
فاستکثر من العبید......"

مصر میں عربوں کی اصلی اہمیت قدرتی طور پر فوجی خدمت سے وابستہ تھی، اور جب یہ خدمت ان کے ہاتھ میں نہ رہی تو ظاہر ہے کہ وہ تمام سیاسی اقتدار بھی کھو بیٹھے اور عام مصریوں میں مل جل گئے۔

عربوں کی بغاوت فرو کرنے کے لئے معتصم ترکوں کی فوج اپنے ساتھ لایا تھا۔ بغاوت اُس وقت تک فرو نہ ہوئی جب تک ایک ترک سپہ سالار افشین مصر نہیں آیا۔ اب معتصم نے عربوں کے عطیات مسدود کرائے، اور اس سے بھی زیادہ دور رس تبدیلی یہ ہوئی کہ ۲۱۹ھ میں اُس نے ایک ترک امیر اُشناس کو ملک مصر جاگیر میں دے دیا، اور مصر میں منبروں سے اُس کے لئے دعا کی گئی[۱۸۷]۔ یہ ایسی سرفرازی تھی کہ اس سے قبل کسی والیٔ مصر کو حاصل نہیں ہوئی تھی۔ والی کا تقرر اور تعزل بھی اُسی کے سپرد کر دیا گیا۔ اس کی توثیق پھر ۲۲۷ھ میں واثق نے کی کہ جب اُس نے اُشناس کو "من بابه الی آخر عمل المغرب" کا والی مقرر کیا[۱۸۸]۔ ۲۳۰ھ میں اشناس کا انتقال ہوا تو ایک اور ترک امیر ایتاخ مصر میں اس کا جانشین ہوا۔

---

۱۸۶ الکندی ص ۱۹۴ + خطط ج ۱۔ ص ۹۴ +

۱۸۷ الکندی ص ۱۹۴ +

۱۸۸ یعقوبی ج ۲۔ ص ۵۸۵ +

اب عربوں کا زوال مکمل ہو چکا تھا، اور مصر ترک امیروں کی جاگیر کی حیثیت رکھتا تھا
پھر بھی ۲۴۲ھ تک عرب والی مقرر ہوتے رہے۔ آخری عرب حاکم مصر عنبسہ بن اسحاق الضبی
تھا، اور وہی آخری حاکم تھا جس نے لوگوں کے ساتھ صلاۃ میں شرکت کی۔[۱۸۹]

اس وقت عرب قریوں میں آباد ہو کر عام آبادی کا ایک جزء بن گئے تھے، اور ان میں
اور قبطیوں میں شادی بیاہ کے تعلقات بھی قائم ہو چکے تھے۔ اسلام عام طور پر ملک میں
پھیل گیا تھا۔ مقریزی[۱۹۰] لکھتا ہے کہ:۔

"(وکان من خبر اراضی مصر) بعد نزول
العرب باریافها واستیطانهم واهالیهم
فیها واتخاذهم الزرع معاشاً وکسباً
وانقیاد جمهور القبط الی اظهار الاسلام
واختلاط انسابهم بانساب المسلمین
لنکاحهم المسلمات ...."

یہ اختلاط حسب و نسب اور تمدن و معاشرت آج تک جاری ہے۔

۲۴۲ھ میں عربوں کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہوا، اور اس کے بعد ترکوں کا دور شروع

---

۱۸۹ الکندی ص ۲۰۲۔ جس طرح عنبسہ آخری عرب والی تھا، اس طرح ۲۴۷ھ میں احمد (بن محمد) بن المدبر آخری عرب صاحب الخراج مقرر ہوا تھا۔ ۲۵۴ھ میں جب احمد بن طولون مصر کا والی مقرر ہوا ہے تو احمد بن المدبر وہاں موجود تھا۔ یہ شخص پرانے اور نئے حالات کے درمیان ایک حد فاصل ہے۔ محاصل مصر کی تاریخ میں اسکی شخصیت اس قدر اہم ہے کہ ہم نے اس کے حالات ایک الگ مضمون میں تفصیل سے بیان کئے ہیں +

۱۹۰ خطط ج ۱۔ ص ۸۲۔

ہوا۔ عہد فاطمین میں ابتداً بربری قبیلۂ کتامہ کا زور رہا۔ مگر ان کی سرزوری سے خلیفہ العزیز بالیہ (۳۶۵ھ سے ۳۸۶ھ) کو مجبوراً توازن قوت قائم رکھنے کے لئے ترکوں کو مصر آنے کی دعوت دینی پڑی۔ اس کے بعد ترک مصر کی سیاسیات پر پھر غالب آئے۔ اگر اس مختصر سے زمانے کو نظر انداز کر دیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترک اب صدیوں سے ملک کے مالک اور حکمران ہیں۔ مگر عربوں نے اپنے جو آثار مصر میں چھوڑے، اور جو اب تک اپنا کام کر رہے ہیں، وہ اس قدر ظاہر و باہر ہیں کہ ان پر بحث کرنا تحصیل لاحاصل ہے۔

لٹریچر :-

ابن الاثیر، علی بن ابی الکرم محمد بن محمد ایشبانی المعروف بابن الاثیر: تاریخ الکامل۔ ج ۵، ۶۔ مصر ۱۳۰۱ھ۔

ابن تغری بردی، جمال الدین ابو المحاسن یوسف ابن تغری بردی: النجوم الزاہرہ فی ملوک المصر والقاہرہ۔ مصححہ ژون بال۔ لیدن ۱۸۵۵ء۔

ابن خردادبہ: المسالک والممالک۔ لیدن ۱۸۸۹ء

ابن عبد الحکم، ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن عبد الحکم بن اعین القرشی المصری: فتوح مصر واخبارہا۔ مصححہ ٹوری لیدن ۱۹۲۰ء۔

ابن العذاری المراکشی: البیان المغرب فی اخبار المغرب۔ جلد ۱۔ مصححہ رینحرٹ دُزی۔ لیدن ۱۸۴۸ء۔

ابن عساکر، ابو القاسم علی بن الحسن بن صبتہ اللہ بن عبد اللہ بن الحسن ابن عساکر الدمشقی: التاریخ الکبیر ج ۲ و ۳۔ دمشق ۱۳۲۹ھ و ۱۳۳۱ھ۔

ابن المماتی، ابو المکارم بن ابی سعید: کتاب قوانین الدواوین۔ مصر ۱۲۹۹ھ

ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم صاحب الامام ابی حنیفہ: کتاب الخراج۔ مصر ۱۳۴۶ھ

البلاذری، امام احمد بن یحییٰ بن جابر البغدادی الشہیر بالبلاذری: فتوح البلدان مصر ۱۳۱۹ھ۔

الجہشیاری، ابو عبداللہ محمد بن عبدوس الجہشیاری: کتاب الوزراء و الکتاب۔ مصحح فون مزیک۔ لائپزگ ۱۹۲۶ء۔

حافظ ابی الفرج عبدالرحمن بن احمد بن رجب الحنبلی: الاستخراج الاحکام الخراج۔ مصر ۱۳۵۲ء

حسن ابراہیم حسن: تاریخ عمرو بن العاص۔ مصر ۱۹۲۲ء

الخوارزمی، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن یوسف الکاتب الخوارزمی: مفاتیح العلوم۔ مصر ۱۳۴۹ء

السیوطی، جلال الدین السیوطی: حسن المحاضرہ فی اخبار مصر و القاہرہ۔ ۲۔ جلدیں مصر ۱۳۲۱ء

الشافعی، محمد بن ادریس الشافعی: کتاب الام۔ جلد ۴۔ بولاق ۱۳۲۲ء

القلقشندی، ابو العباس احمد۔ صبح الاعشیٰ۔ ج ۳۔ قاہرہ ۱۳۳۳ء

الکندی، ابو عمر محمد بن یوسف الکندی المصری: کتاب و الولاۃ و القضاۃ۔ مصححہ رفن جسٹ (اوقاف گب) بیروت ۱۹۰۸ء۔

المبرد، ابو العباس محمد بن یزید المعروف بالمبرد۔ الکامل۔ مصر ۱۳۴۷ء

محمد کرد علی: حفظ الشام۔ جلد ۵۔ دمشق ۱۳۴۶ء

المقریزی، تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر بن محمد المعروف بالمقریزی: کتاب المواعظ والاعتبار بذکر الخطط و الآثار۔ ۲ جلدین بولاق ۱۲۷۰ء

______ البیان و الاعراب عما بارض مصر من الاعراب۔ مصر ۱۳۵۶ء

المتوفی، محمد بن عبدالمعطی بن ابی الفتح بن احمد بن عبدالمغنی بن علی الاسحاقی المتوفی: کتاب اخبار الاول فیمن تصرف فی مصر من ارباب الاول۔ مصر ۱۳۱۰ء۔

Arnold, W. T., Roman System of Provincial Administration, Oxford, 1914.

Becker, Charles H., Beitrage Zur Geschichte Agyptens unter den Islam, Part II, Strassburg, 1903.

Butter, Alfred J., The Arab conquest of Egypt, Oxford, 1922.

Cambridge Medeaval History, Vol. I. Cambridge, 1911.

Grohmann, Adolf, Allgemein Einfuhrung in die arabichen Papyri, Wein, 1924

Lane-Poole, Stanely, History of Egypt in the middle Ages, London, 1914.

Milne, Egypt under the Roman Rule, Oxford, 1898..

Mommsen, Theodore, The Provinces of the Roman Empire, Vol. II. London, 1909

Reid, James S., Municipalitics of the Roman Empire, Cambridge, 1913.

Wellhausen, Das Arabischen Reict and Stein sturse Berlin 1902. (English translation : The Arab Kingdom and its Fall, by Mrs. Weir, Calcutta, 1929).

Wustenfeld, F., Geschichte der Copten, Gottingen, 1845, Die Geographie and Verwaltung von Agypten, nach den Arabischen des Calcaschandi, Gottigen, 1879.